Regd. L. No. 7243

Phone, 80800

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

جولائی ۱۹۷۲ء

ختم نبوت

اور

تحریک "احمدیت"

شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵-بی گلبرگ لاہور

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ - پچاس پیسے

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

بدل اشتراک	ٹیلیفون	قیمت فی پرچہ
پاکستان سالانہ ۱۵ روپے	۸۰۸۰۰	(۱½)
غیر ممالک سالانہ ۱½ پونڈ	خط و کتابت	ڈیڑھ روپیہ
	ناظم ادارہ طلوعِ اسلام - ۲۵/بی - گلبرگ ۲ - لاہور	

جلد ۲۷	جولائی ۱۹۷۴ء	نمبر ۷

فہرست

(۱) لمعات ——— ۲
(۲) ختمِ نبوت ——— (محترم پرویز صاحب) ۱۰
(۳) لاہوری احمدیوں کی پوزیشن ——— ۱۴
(۴) تبویبِ القرآن ——— (محترم پرویز صاحب) ۱۷
(۵) اختلافِ قرأت ——— ۲۸
(۶) شاہکارِ رسالتؐ ——— (محترم خالد سلام) ۴۲
(۷) بھارت کا ایٹمی دھماکہ ——— (محترم شاہد عادل میانوالی) ۴۹
(۸) مجلسِ مذاکرہ ——— (طلوعِ اسلام کنونشن ۱۹۷۳ء) - ۵۵

ایڈیٹر محمد خلیل ✤ ناشر سراج الحق ✤ مقامِ اشاعت - ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور ✤ پرنٹر محمد محسن - لاہور آرٹ پریس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

ہمارا بدنصیب ملک، جس کی بدنصیبی خود ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ایک بار پھر ملک گیر خلفشار وانتشار کے شعلوں کی لپیٹ میں آگیا۔ (اخبارات میں شائع شدہ اطلاعات کے مطابق) نشتر میڈیکل کالج، ملتان کے کچھ طلبا، بغرض سیاحت پشاور گئے۔ راستہ میں ربوہ کے ریلوے سٹیشن پر (جو قادیانی "احمدیوں" کا مرکز ہے۔) انہوں نے (مبینہ طور پر) کچھ نعرے لگائے لیکن گاڑی کسی غیر معمولی واقعہ کے بغیر آگے چلی گئی۔ جب وہ (۲۹ مئی کو) واپس آئے تو ربوہ اسٹیشن پر سینکڑوں (بلکہ ہزاروں) افراد پر مشتمل ہجوم نے ان کے ڈبے کو ٹرین سے الگ کر کے، پلیٹ فارم پر ان پر حملہ کیا جس کے نتیجہ میں متعدد طلبا سخت زخمی ہو گئے۔ یہ خبر ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی اور مختلف مقامات پر اس کے ردِ عمل کے شدید مظاہرے وقوع میں آئے۔ حکومت نے اس واقعہ کی تحقیق کے لئے، ہائی کورٹ کے ایک جج کو تعینات کر دیا۔ چونکہ یہ تحقیق اس وقت جاری ہے اس لئے اس سلسلہ میں مزید کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اس واقعہ کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ ملک کے ہر گوشے سے اس مطالبہ کی آواز بلند ہوئی کہ "احمدیوں" کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ مذہبی پیشواؤں اور سیاسی راہنماؤں نے متفقہ طور پر اس مطالبہ کو حکومت کے سامنے پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی ملک میں ہر جگہ ہنگامے برپا ہوتے رہے۔ ۳۰ جون کی شام کو محترم وزیر اعظم پاکستان (مسٹر بھٹو) نے اپنی ریڈیائی تقریر میں اعلان کیا کہ وہ خود ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور بجٹ سیشن کے بعد، (جو ۱۵ جون کو ختم ہو جائے گا۔) اس مسئلہ کو قومی اسمبلی میں پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اسمبلی کا فیصلہ آئینی طور پر ملک میں قانونی حیثیت اختیار کر لے گا۔ اور اس طرح یہ مسئلہ مستقل طور پر حل ہو جائے گا۔ ہم، محترم وزیر اعظم کے اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

طلوع اسلام، شروع سے، فساد انگیزیوں اور ہنگامہ خیزیوں کے خلاف چلا آرہا ہے۔ اس کا مسلک یہ ہے (جسے وہ وقتاً فوقتاً دہراتا رہتا ہے) کہ ہر فساد انگیزی، ملک کی اجتماعی تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ اس لئے اس سے ہر حال میں مجتنب رہنا چاہئے اور اختلافی مسائل و منازعات کا حل، پُر امن طریق سے، دلائل و براہین کی رو سے، آئینی طور پر تلاش کرنا چاہئے۔ ملک کی اجتماعی تباہی کے علاوہ، ان ہنگاموں میں ہوتا یہ ہے کہ تخریب پسند عناصر کہ، وہ بھی تمیز کے بغیر، لوٹ مار شروع کر دیتے ہیں۔ اور منظم جماعتوں کو اپنے مخالفین کے خلاف،

اشتعال انگیزی کا موقعہ ہاتھ آجاتا ہے۔ موجودہ ہنگاموں میں بھی اس کی بیّن مثالیں سامنے آئی ہیں۔ (مثلاً) لاہور میں جب عوام کے جذبات انتہائی شدت پر تھے، شہر کی دیواروں پر ایک پوسٹر چسپاں نظر آیا جس کا عنوان "قادیانیت اور پرویزیت" تھا۔ ان دونوں کو بریکٹ (ہم قوس) کرکے، لوگوں کے جذبات کو ان کے خلاف بھڑکایا گیا۔ لیکن عوام اب طلوع اسلام کے مسلک سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ اس لئے کسی نے اس کا نوٹس نہ لیا۔ اور اس طرح ان لوگوں کی ہر سازش ناکام رہ گئی، جن کے نزدیک "جھوٹ بولنا واجب ہو جاتا ہے"۔ اس طرح کے خلفشار میں اس قسم کے لوگوں کو یوں سازشیں کرنے کا موقعہ ہاتھ آجاتا ہے۔ ہم نے اپنی روش مستمرہ کے مطابق، بزموں کے نام ایک گشتی چٹھی جاری کی، جس کے آخر میں لکھا کہ:

> طلوع اسلام، فساد انگیزی اور فتنہ خیزی کے ہمیشہ خلاف رہا ہے۔ اب بھی اس کی پُرزور تلقین اور تاکید ہے کہ ہماری فکر سے وابستہ حضرات کسی اشتعال اور فساد میں قطعاً حصہ نہ لیں۔ البتہ اس مطالبہ کی پوری قوت کے ساتھ تائید کریں کہ منکرین ختم نبوت کو (جن میں قادیانی اور لاہوری دونوں جماعتیں شامل ہیں) غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اس مضمون کی تار میں محترم وزیر اعظم پاکستان کو ارسال کی جائیں۔

خود ادارہ کی طرف سے بھی اس مضمون کا تار، محترم وزیر اعظم کی خدمت میں، ۱۱ جون کو بھیجا گیا۔

جہاں تک تحفظ ختم نبوت کا تعلق ہے، طلوع اسلام اپنی اشاعت کے روزِ اوّل سے اس کے لئے مسلسل مصروفِ جہاد چلا آرہا ہے ـــــ اور پرویز صاحب تو اس باب میں اسابقون الاولون میں سے ہیں۔ چند صفحات آگے جاکر، ختم نبوت کے عنوان سے جو مقالہ آپ کے سامنے آئے گا۔ اس میں آپ دیکھیں گے کہ اس نزاع کے سلسلہ میں غیر منقسم ہندوستان میں جو پہلا مقدمہ عدالت میں زیر سماعت آیا، اس کا فیصلہ (کہ میرزائی ہو جانے سے ایک شخص مسلمان نہیں رہتا) پرویز صاحب ہی کے ایک مقالہ پر مبنی تھا۔ یہ فیصلہ ۱۹۳۵ء میں کیا گیا تھا۔ ازاں بعد۔ انہوں نے، اپنی مایہ ناز تصنیف، معراج انسانیت (کے پہلے ایڈیشن) کے آخری باب میں، ختم نبوت کے موضوع پر ایسی جامع بحث کی کہ اس کا جواب کسی سے بن نہ پڑا۔ (اس کی اہمیت اور ارباب ذوق کے تقاضوں کے پیش نظر، اسے الگ پمفلٹ کی شکل میں بھی شائع کیا گیا تھا) پچھلے سال انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کریں گے۔ للہ الحمد کہ انہیں اپنے اس وعدہ کے پورا کرنے کی توفیق نصیب ہو گئی اور حال ہی میں انہوں نے اس تصنیف کو مکمل کر دیا۔ اب وہ زیر کتابت ہے۔ جب یہ کتاب شائع ہو گی تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں اس مسئلہ کو کس حسن و خوبی سے مستقل طور پر حل کرکے رکھ دیا گیا ہے۔ جو بات قرآن کریم کی سند و تائید سے کی جائے، اس کی کیفیت ایسی ہی ہوتی ہے۔

جب ۱۹۵۳ء میں اس مسئلہ نے ملک میں آتشیں پیکر اختیار کر لیا تھا، تو طلوع اسلام نے اپنی اشاعت بابت اپریل ۱۹۵۳ء کے صفحہ اول پر اعلان کیا تھا کہ:-

> جہاں تک عقیدہ ختم نبوت کا تعلق ہے اس کی پوزیشن یہ ہے کہ جس طرح خدا کو ایک مان لینے

کے بعد کسی اور خدا کے وجود کو تسلیم کرنا خدا کے ساتھ شرک ہے۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو نبی یا رسول مان لینا شرک فی النبوۃ ہے، جس کا اسلام میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح قرآن کریم خدا کی آخری کتاب ہے جس کے بعد خدا کی طرف سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اسی طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے آخری نبی ہیں جن پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ نہ قرآن کے بعد کوئی اور کتاب آ سکتی ہے اور نہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کوئی نبی۔ نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ رسول ہی نبی ہوتا ہے اور نبی ہی رسول۔ قرآن کی رو سے یہ پوزیشن ایسی واضح ہے کہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔

۱۹۵۳ء کے ہنگاموں میں، علماء حضرات کی طرف سے دعوےٰ یہ پیش کیا گیا تھا کہ جو شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد، اجرائے نبوت کا قائل ہے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اس سلسلہ میں حکومت کی طرف سے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر ہوئی جس کے صدر (جسٹس) محمد منیر تھے۔ اس کمیٹی نے ملک بھر کے جید علماء حضرات سے پوچھا کہ "مسلمان کہتے کسے ہیں"؟ تو اس کا کوئی متعین جواب ہی نہ دیا جا سکا۔ اور اس طرح اس اہم مسئلہ کا ناقہ و لیلیٰ، تشتتِ فکر و نظر کے غبار میں گم ہو کر رہ گیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔ منیر کمیٹی کی رپورٹ) پرویز صاحب نے ان حضرات سے کہا کہ اگر آپ "مسلمان" کی کوئی جامع اور متفق علیہ تعریف (DEFINITION) متعین نہیں کر سکتے۔ تو مطالبہ یہ پیش کیجئے کہ جو شخص، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی تسلیم کرتا ہے وہ اُمتِ محمدیہ کا فرد قرار نہیں پا سکتا۔ اس سے مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس کے لئے انہوں نے جو دلیل دی۔ وہ طلوع اسلام کے صفحات پر متعدد بار آ چکی ہے۔ اس ضمن میں آپ ان کے خطاب ــــ میں کو ایک کچھ نظر آتے ہیں کچھ ــــ کا حسب ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

ایک عیسائی حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسےٰؑ تک تمام انبیاء کو مانتا ہے۔ لیکن اس سلسلہ کو حضرت عیسےٰؑ پر ختم کر دیتا ہے۔ وہ ان سے آگے نہیں بڑھتا۔ جب تک وہ اس مسلک پر قائم رہتا ہے۔ اُمتِ عیسوی کا فرد کہلاتا ہے۔ لیکن جونہی وہ اس سلسلہ کو آگے بڑھا کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتا ہے، یعنی سلسلہ انبیاء کو حضرت عیسےٰؑ پر ختم سمجھنے کی بجائے، اُن کے بعد، ایک اور نبی کی نبوت پر ایمان لے آتا ہے ــــ وہ اُمتِ عیسوی سے کٹ کر، اُمتِ محمدیہ کا فرد قرار پا جاتا ہے۔ یاد رکھئے۔ یہ عیسائی، نبی اکرمؐ کی نبوت پر ایمان لانے سے، حضرت عیسےٰؑ یا آپ سے پہلے کے انبیاء کی نبوت سے انکار نہیں کرتا۔ انہیں بدستور نبی مانتا ہے۔ لیکن پہلے یہ حضرت عیسےٰؑ کو اس سلسلہ کی آخری کڑی مانتا تھا۔ اب یہ انہیں آخری کڑی نہیں مانتا، اس سلسلہ کو ان کے بعد بھی جاری سمجھتا ہے اور اسی بنا پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لاتا ہے۔

ان حقائق سے واضح ہے کہ ایک شخص اس نبی کی اُمت کا فرد کہلاتا ہے جسے وہ سلسلہ انبیاء کی

آخری کڑی سمجھتا ہے۔ جونہی وہ اس سلسلہ کو آگے بڑھاتا ہے اس کا سلسلہ سابقہ نبی کی اُمت سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کے بعد کے نبی کی اُمت کا فرد قرار پا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر 'انسان' وحی کے حقائق پر ایمان لانے سے تو، یوں کہیئے کہ خدا پر ایمان لاتا ہے۔ لیکن امت' میں وہ اس نبی کی شامل ہوتا ہے جسے وہ سلسلۂ انبیاء کی آخری کڑی مانتا ہے۔

اس کے بعد اُنہوں نے کہا کہ:

اُمتِ محمدیہ کا فرد ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ شخص

(۱) قرآن کریم کو خدا کی طرف سے عطا کردہ، واحد، مکمل، غیر متبدل اور محفوظ ضابطہ حیات مانے۔ اور

(۲) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلسلۂ انبیاء کی آخری کڑی سمجھے۔

یہ ہیں مختصر الفاظ میں، وہ مساعی جو ختم نبوت کے سلسلہ میں طلوعِ اسلام کی طرف سے رونما ہوتی چلی آئی ہیں۔ اس کے برعکس، ہمارے علماء حضرات کی کیفیت یہ ہے کہ ۱۹۵۳ء کے ہنگاموں کے بعد جو یہ مطالبہ دیا، تو پھر انہوں نے متفقہ طور پر اس کے متعلق کچھ کیا ہی نہیں۔ اب جو ربوہ کا ہنگامہ برپا ہوا تو انہیں پھر یہ مطالبہ یاد آیا۔ اس بیس برس کے عرصہ میں ہوا یہ کہ:

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

یہ اپنے جھگڑوں میں اُلجھے رہے اور "احمدی" کہیں سے کہیں نکل گئے۔ یہ حضرات بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہماری کوششوں کے نتیجہ میں، ۱۹۷۲ء کے آئین میں، ختم نبوت پر ایمان 'حلف نامہ' میں داخل کیا گیا ہے۔ اول تو یہ حلف نامہ صرف صدرِ مملکت اور وزیرِ اعظم کے لئے ہے۔ اور کسی کے لئے نہیں۔ لیکن اس سے بھی اہم سوال یہ ہے کہ کیا اس حلف نامہ سے اسلام کا یہ تقاضا اور ملت کا یہ مطالبہ پورا ہو گیا ہے کہ ختم نبوت کا منکر مسلمان نہیں رہتا۔ اس حلف نامہ سے منطقی طور پر تو یہ طے پا گیا کہ ختم نبوت پر ایمان مسلمان ہونے کی شرط ہے لیکن عملاً صرف اسی قدر ہوا کہ اجرائے نبوت کا قائل (یعنی کوئی "احمدی") صدارت یا وزارتِ عظمےٰ کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا ـــــ وہ بھی اس صورت میں جب وہ یہ حلف لینے سے انکار کر دے۔ ان حضرات کو چاہیئے تھا کہ دستورِ پاکستان کی تدوین کے وقت اس سوال کو اٹھاتے۔ اُنہوں نے آئین میں اپنی مصلحتی ترامیم کے لئے تو "داک آؤٹ" تک کیا۔ لیکن اس مطالبہ کے لئے ایک حرف زبان تک نہ لائے۔ یہ ہے ان کے نزدیک، اس اہم ترین دینی تقاضا کی اہمیت! (جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا جائے گا) طلوعِ اسلام نے اُسی زمانے میں اس نکتہ کو اُبھارا تھا ـــــ اُس طلوعِ اسلام نے جسے یہ حضرات (معاذ اللہ) "منکرینِ رسالت" قرار دیتے چلے آ رہے ہیں۔

محترم وزیرِ اعظم کے وعدہ کے مطابق، اب یہ مسئلہ مرکزی اسمبلی میں پیش ہوگا۔ چونکہ یہ مسئلہ (متوقع طور پر) اسمبلی میں اس وقت پیش ہوگا جب یہ پرچہ (بابت جولائی) شائع ہو چکا ہوگا۔ اور اس کے بعد جب اگست کا پرچہ شائع ہوگا تو شاید اس مسئلہ پر بحث ختم ہو چکی ہوگی۔ اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ اس

سلسلہ میں ضروری نکات حالیہ اشاعت میں پیش کر دیئے جائیں۔ تاکہ اُس بحث میں حصہ لینے والوں کے ذہن میں اس مسئلہ کے تمام گوشے واضح طور پر آجائیں۔ ایک ماہنامہ کی یہی مجبوری ہوتی ہے کہ وہ اس قسم کے ہنگامی حالات میں 'ساتھ کے ساتھ' قارئین کے ساتھ رابطہ قائم نہیں کر سکتا ـــــ اور ہماری دقت تو ایک اور بھی ہے کہ ملک کے اخبارات طلوع اسلام کی کوئی خبر تک بھی اپنے ہاں شائع کرنا جرم عظیم اور کبیرہ گناہ خیال کرتے ہیں۔ (وجہ اس کی وہ زہریلا پراپیگنڈہ ہے جو سالہا سال سے طلوع اسلام کے خلاف جاری ہے اور ایسا کرنے والوں کا مقصد واضح)۔ بہرحال، ہمیں ایسے ہی ماحول میں رہنا ہے۔ اور اسی جذبہ کے ساتھ کہ:

تیری بندہ پروری سے میرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ

اور یہ سب اس لئے کہ ـــــ

میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

بہرحال، اس مسئلہ کو مجلس قوانین ساز میں پیش ہونا ہے۔ جیسا کہ محترم وزیر اعظم نے کنایتہً کہا ہے۔ اصولی طور پر تو اس مسئلہ کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہوا ہے۔ وہ اس طرح کہ آئین کی رُو سے:

(۱) کوئی شخص جو مسلمان نہ ہو، صدارت یا وزارتِ عظمیٰ کے عہدوں پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ اور

(۲) ان کے لئے اس امر کا حلف لینا بھی ضروری ہے کہ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے آخری رسول ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔

اس سے واضح ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا وہ مسلمان تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ بنا بریں۔ اس شق کی رُو سے، اصولی طور پر، اجرائے نبوت کے قائل پہلے ہی دائرہ اسلام سے خارج قرار پا چکے ہیں۔ اب اس اصول کو صرف قانونی شکل دینے کا سوال باقی رہ جاتا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ مجلس قانون ساز میں، بحث صرف اسی نقطہ پر مرکوز ہونی چاہئے۔ یعنی وہاں یہ بحث نہیں چھڑ جانی چاہئے کہ اجرائے نبوت کے قائل، مسلمان ہیں یا نہیں، یہ بحث اس آئین کی رُو سے پہلے سے طے پا چکی ہوئی ہے کہ وہ مسلمان تسلیم نہیں کئے جا سکتے۔ لہٰذا، سوال زیر بحث صرف یہ آنا چاہئے کہ اس تسلیم کردہ آئینی حقیقت کو قانونی شکل کیسے دی جائے۔

اس حقیقت کو قانونی شکل دینے کے لئے، صحیح الفاظ کا انتخاب نہایت ضروری۔ بلکہ بنیادی شرط ہے۔ اگر مسودہ قانون میں یہ الفاظ رکھے گئے کہ "احمدی" غیر مسلم اقلیت ہیں۔ تو سوال یہ چھڑ جائے گا کہ "احمدی" کہتے کسے ہیں۔ اس کی (DEFINITION) کیا ہے ـــــ اور جس طرح ۱۹۵۳ء میں "مسلمان" کی (DEFINITION) کی بحث چھڑ کر، اصل مسئلہ ہی غت ربود ہو گیا تھا۔ ہمیں ڈر ہے کہ اس دفعہ یہ مسئلہ کہیں "احمدی" کا مفہوم متعین کرنے کی بھول بھلیوں میں نہ کھو جائے۔ اور ملک کے لئے وہ خطرہ ویسے کا ویسا ہی رہے جس نے اس کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ مسئلہ صاف ہے۔ یہ آئینی طور پر طے ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی مانتا ہے وہ مسلمان تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ "احمدیوں" کی قادیانی شاخ کے افراد (جنہیں اب اہلِ ربوہ کہا جاتا ہے) لگی لپٹی بغیر اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ میرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں۔ اس لئے انہیں غیر مسلم قرار دینے کے سوال پر کسی بحث و تمحیص کی ضرورت نہیں۔ انہیں امتِ محمدیہ کے افراد تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ خود میرزا صاحب کا یہ اعلان موجود ہے کہ نبی اپنی الگ امت تشکیل کرتا ہے، اور اس بناء پر انہوں نے اپنی الگ امت متشکل کی ہے۔ چنانچہ ان کی درخواست پر سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں انہیں مسلمانوں سے الگ شمار کیا گیا تھا ___ واضح رہے کہ امتی نبی، تابعی نبی، تشریعی نبی، غیر تشریعی نبی، ظلی نبی، بروزی نبی، حلولی نبی، وغیرہ اصطلاحات سب غیر قرآنی (اور مجوسیوں سے مستعار لی ہوئی) ہیں۔ اور اس مسئلہ میں الجھاؤ پیدا کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ نبوت کی ایک ہی قسم ہے (یا تھی) اور جو شخص بھی نبی ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے وہ امتِ محمدیہ کا فرد نہیں رہتا۔

اس قسم کا الجھاؤ یہ حضرات "خاتم النبیین" کی اصطلاح کے سلسلہ میں پیدا کرتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ یہ لوگ بڑے دھڑلے سے کہتے ہیں کہ ہم نبی اکرمؐ کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ میرزا صاحب کے خلیفۂ اول حکیم نور الدین کے زمانے میں، خود قادیانیوں میں سے بعض نے یہ سوال اٹھایا کہ ایک طرف ہم میرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں اور دوسری طرف ہم سے کہا جاتا ہے کہ تم ہر جگہ اقرار و اعلان کرو کہ ہم نبی کریمؐ کو خاتم النبیین مانتے ہیں، تو اس تضاد کے معنی کیا ہیں۔ اس پر حکیم صاحب نے فرمایا کہ جب مسلمان، حضورؐ کو خاتم النبیین کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد ہوتی ہے۔ وہ ذاتؐ جس پر نبوت ختم ہو گئی۔ لیکن جب ہم آپؐ کو خاتم النبیین کہتے ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے وہ رسول جس کی مہر سے میرزا صاحب نبی بنے ہیں۔ اس لئے تم اس اصطلاح کو کھلے بندوں استعمال کرو اور اس کا عام چرچا کرو۔ اس کے مفہوم کی بحث نہ چھیڑو۔

لہٰذا، اس بجٹ یا مسودہ قانون میں یہ اصطلاح نہیں آنی چاہیئے۔ اس سے الجھاؤ پیدا ہو جائیگا۔ تصریحات بالا کی روشنی میں، ذہن اس طرف جائے گا کہ مسودہ قانون میں اگر یہ کہہ دیا جائے کہ "جو شخص میرزا غلام احمد کو نبی مانتا ہے۔ خواہ وہ اس کا کوئی مفہوم لے۔ وہ مسلمان تسلیم نہیں کیا جا سکتا"؛ تو اس سے مقصد حل ہو جائے گا۔ لیکن نہیں۔ اس سے بھی یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے کہ "احمدیوں" کی لاہوری شاخ کا یہ دعوےٰ ہے کہ وہ میرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے اس لئے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار نہ دیا جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا موقف یہ بھی ہے کہ (قادیانی) جو میرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں انہیں بھی غیر مسلم اقلیت قرار نہ دیا جائے۔ (تفصیل ان امور کی چند صفحات بعد آپ کے سامنے آئے گی)۔ گویا ان کے نزدیک ختم نبوت کا عقیدہ کچھ ایسا اہم نہیں کہ یہ کفر و اسلام کی حد امتیاز قرار پا جائے۔ ختم نبوت کے قائل بھی مسلمان، اس کے منکر بھی مسلمان۔ بنا بریں، مسلمانوں کے اس مطالبہ کے مدمقابل صرف قادیانی نہیں لاہوری احمدی" بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ بالفاظ دیگر، لاہوری "احمدیوں" کا عقیدہ یہ ہے کہ میرزا صاحب کو نبی ماننے والے بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ اس عقیدہ کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ خود مدعی نبوت کو بھی

دائرہ اسلام سے خارج نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہ ہے وہ نتیجہ جس تک لاہوری حضرات، بالواسطہ، مسلمانوں کو پہنچانا چاہتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ہم تو میرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے لیکن اگر انہوں نے دعوئے نبوت کیا ہے تو بھی انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ان حضرات سے اس قسم کی بحثوں میں الجھنا ہی نہیں چاہئے۔ ان کے متعلق ایک اور نقطہ کی رُو سے فیصلہ کرنا چاہئے۔ جیسا کہ آپ اس مضمون میں دیکھیں گے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ انہیں خود اس کا اعتراف ہے کہ:

(۱) جو شخص قرآن کریم کے کسی حکم کو منسوخ کرنے کا دعوئے کرتا ہے۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور

(۲) میرزا صاحب نے قرآن کریم کے ایک بیّن اور بنیادی حکم، جہاد بالسیف کو منسوخ قرار دیا۔

لہٰذا میرزا صاحب قرآن کریم کی رُو سے اور خود اپنے متعین کردہ معیار کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے۔ اب ایسے شخص کو، مجدد، محدث، مہدی، مسیح موعود، وغیرہ تو کجا، مسلمان سمجھنا بھی جائز قرار نہیں پا سکتا۔ جو اسے ایسا سمجھتا ہے وہ خود دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ جو شخص میرزا صاحب کو مسلمان سمجھتا ہے۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ بنا بریں، اسمبلی میں پیش کردہ مسودہ قانون یہ ہونا چاہئے کہ

> میرزا غلام احمد قادیانی۔ اپنے دعوئے نبوت کی بنا پر۔ اور اس بنا پر کہ انہوں نے جہاد بالسیف جیسے اہم قرآنی حکم کو منسوخ قرار دیا۔ دائرہ اسلام سے خارج قرار پاتے ہیں۔ لہٰذا، جو شخص انہیں مسلمان سمجھتا ہے وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ پاکستان میں ایسے تمام لوگ جو میرزا غلام احمد قادیانی کو مسلمان تسلیم کریں، غیر مسلم اقلیت کے افراد سمجھے جائیں گے۔

اس سلسلہ میں ایک اور اہم بات بھی ہے جسے ابھی سے پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اس وقت مطالبہ یہ بھی ہے کہ "احمدیوں" کو غیر مسلم قرار دینے کے بعد، انہیں کلیدی آسامیوں سے علیحدہ کر دیا جائے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے آئین میں یہ شق موجود ہے کہ ملازمتوں کے معاملہ میں مذہب کی بنا پر کسی قسم کی تفریق روا نہیں رکھی جا سکتی۔ لہٰذا "احمدیوں" کو غیر مسلم قرار دینے کے بعد بھی آپ انہیں (صرف مذہب کی بنا پر) ملازمتوں سے الگ نہیں کر سکیں گے۔ نہ ہی ان پر، ملازمتوں کے بارے میں آئندہ پابندی عائد کر سکیں گے۔ "احمدی" اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ غیر منقسم ہندوستان میں ملازمتوں اور مجالس قوانین ساز وغیرہ کی نشستوں میں مسلمانوں کی جداگانہ نیابت تھی۔ اس لئے وہاں ان کا (احمدیوں کا) مسلمانوں کے ساتھ رہنے میں فائدہ تھا۔ یہاں ان امور میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے یہ حضرات مطمئن ہیں کہ انہیں غیر مسلم قرار دینے سے بھی ان امور پر کچھ فرق نہیں پڑتا۔

قارئین کو معلوم ہے کہ ہم تشکیل پاکستان کے روزِ اول سے اس امر پر زور دیتے چلے آ رہے ہیں کہ جب آپ "دو قومی نظریہ" کو مملکت پاکستان کی بنیاد قرار دیتے ہیں، تو اس مملکت میں اس نظریہ کو عملاً رائج بھی

کیجئے۔ اس کی عملی ترویج کے معنی یہ ہیں کہ پاکستان میں بسنے والے غیر مسلم، مسلم قوم کے افراد نہیں۔ اور ایک اسلامی مملکت میں کوئی غیر مسلم رموزِ مملکت میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔ جب دستورِ پاکستان (۱۹۷۲ء) میں حلف نامہ میں ختم نبوت کی شرط رکھی گئی تو ہم نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

> افسوس یہ ہے کہ حلف نامے میں مسلمان ہونے کی شرط صرف صدر مملکت اور وزیر اعظم تک محدود رکھی گئی ہے۔ باقی کسی کے لئے نہیں۔ حتیٰ کہ سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور جج صاحبان کے لئے بھی نہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی مملکت میں ان مناصب جلیلہ پر از روئے آئین غیر مسلم بھی متعین کئے جا سکتے ہیں۔ ہماری بصیرت کے مطابق قرآن اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ یہی نہیں بلکہ قرآن کی رُو سے نہ کوئی غیر مسلم اسلامی مملکت کی آئین اور قوانین سازی کے امور میں شرکت کر سکتا ہے اور نہ ہی اُسے رموزِ مملکت میں شریک کیا جا سکتا ہے۔ دو قومی نظریہ کا یہی عملی مفہوم ہے اور یہ واضح ہے کہ دو قومی نظریہ بھی تخلیق پاکستان کی اساس و بنیاد تھا۔

بنیادی سوال ہے کہ غیر مسلم، مسلمان قوم کے افراد قرار نہیں پا سکتے اور غیر مسلم ہونے کی حیثیت سے وہ نہ مملکت کے لئے قوانین سازی کے امور میں دخیل ہو سکتے ہیں اور نہ ہی رموزِ مملکت میں شریک۔ یہ "دو قومی نظریہ" کا عملی مفہوم اور منطقی نتیجہ ہے۔ لہٰذا، اس سوال کو الگ اٹھانا چاہیئے۔

آپ نے اس پر بھی غور کیا ہوگا کہ طلوع اسلام مسلسل پچیس چھبیس سال سے چلّا تا چلا آ رہا ہے کہ جس دو قومی نظریہ پر پاکستان کی بنیاد رکھی گئی تھی، اسے یہاں عملاً نافذ کیجئے۔ لیکن علماء حضرات نے اس مطالبہ کی کبھی تائید نہیں کی۔ یہ اگر پہلے سے طے ہو چکا ہوتا تو آج اس مطالبہ کی ضرورت ہی پیش نہ آتی کہ "احمدیوں" کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد، انہیں ملازمتوں سے الگ کر دیا جائے۔ غیر مسلموں کی صف میں چلے جانے کے بعد، دو قومی نظریہ اور اس کے مضمرات کا اطلاق ان پر خود بخود ہو جاتا۔

آخر میں ہم پھر اس حقیقت کو دُہرا دینا چاہتے ہیں کہ مسئلہ ختم نبوت کی نزاکت اور اہمیت کے پورے پورے احساس کے باوجود (بلکہ اس احساس کی بنا پر) اس امر کو پیشِ نظر رکھیئے کہ ہنگامہ خیزی اور فساد انگیزی اس مسئلہ کا حل نہیں۔ اگر عوام کو اس سے نہ روکا گیا تو جس طرح یہ اہم دینی سوال ۱۹۵۳ء کے فسادات میں گم ہو کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا، اس دفعہ بھی ویسے ہی ہوگا۔ آپ اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے اور کامل پُرامن طریق سے، آئینی انداز سے اس کا فیصلہ کرایئے۔ مطالبہ اور مسودہ قانون بڑے جچے تلے الفاظ میں مرتب اور پیش کیجئے اور بحث کا رُخ فرعی امور کی طرف منتقل نہ ہونے دیجئے۔ خدا کرے کہ اس دفعہ یہ مسئلہ بخیر و خوبی طے ہو جائے اور ہم بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آبرومندانہ حاضر ہونے کے قابل ہو سکیں۔

واللہ المستعان

ختمِ نبوّت

(پرویز)

مسئلہ ختمِ نبوّت نے آج کل پھر غیر معمولی اہمیت اختیار کر رکھی ہے۔ چاروں طرف اس کا شور ہے۔ لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ (۱۹۵۳ء کے ہنگاموں کی طرح اب بھی) اس کا صحیح اور متعین مفہوم بہت کم لوگوں کے ذہن میں ہے۔ یہ مقدس موضوع، جو دین کی اصل و اساس ہے، اوائلِ عمر ہی سے میرا مرکزِ فکر اور محورِ نظر رہا ہے۔ اور میں گذشتہ چالیس سال سے اس پر لکھتا اور بولتا چلا آ رہا ہوں۔ میں نے ضروری سمجھا ہے کہ اس مسئلہ کی اہمیت اور صحیح مفہوم نہایت مختصر الفاظ میں قوم کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ کا تمہیداً ذکر کرنا ضروری ہے۔

(۲) ۱۹۲۶ء کی بات ہے کہ ریاست بہاولپور کی ایک خاتون نے عدالت میں یہ دعویٰ دائر کیا کہ اُس کا خاوند مرزائی ہو کر مرتد ہو گیا ہے۔ اس لئے اُس کے ساتھ اُس کا نکاح فسخ قرار دیا جائے۔ اس مقدمہ نے ملک گیر شہرت حاصل کر لی اور مسلمانوں کی طرف سے اُس دَور کے چوٹی کے علماء حضرات شہادت کے لئے پیش ہوتے رہے۔ زیرِ بحث مسئلہ ختمِ نبوت تھا۔ نو سال تک یہ مقدمہ زیرِ سماعت رہا۔ اُس کے بعد منشی محمد اکبر (مرحوم) ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر نے ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو اس کا فیصلہ سُنا دیا۔ یہ فیصلہ اُس زمانے میں بھی الگ شائع ہوا تھا اور اُس کے بعد بھی شائع ہوتا رہا۔ حال ہی میں اسے "محفلِ ارشادیہ۔ سیالکوٹ" نے پھر کتابی شکل میں شائع کیا ہے اور یہی نسخہ اس وقت میرے پیشِ نظر ہے۔ محترم ڈسٹرکٹ جج نے اپنے فیصلے میں پہلے یہ لکھا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ "مقامِ نبوّت" کا کوئی جامع تصوّر اُن کے سامنے آ سکے۔ اس سلسلے میں علماء حضرات کی طرف سے نبی کی مختلف تعریفیں پیش ہوتی رہیں لیکن اُن سے اُن کا اطمینان نہ ہوا۔ آخر کار

ایک رسالہ میں ایک مضمون بعنوان "میکانکی اسلام" از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز میری نظر سے گزرا۔ اس میں اُنہوں نے مذہبِ اسلام کے متعلق آج کل کے روشن ضمیر طبقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے اور پھر خود ہی اُس کے حقائق بیان کئے ہیں۔ اِس سلسلے میں نبوّت کی جو حقیقت اُنہوں نے بیان کی ہے۔ میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جا سکتی۔ اور

میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اس پر انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ اِس لئے میں اُن کے الفاظ میں ہی اس حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔" (صفحہ نمبر ۱۰۷)

اس کے بعد فاضل جج نے میرے مضمون کو بڑی تفصیل کے ساتھ نقل کیا اور اُس کی بنیاد پر یہ فیصلہ دیا کہ

"مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ لہٰذا اُس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے۔" (صفحہ نمبر ۱۸۲)

میں نے اس واقعہ کا ذکر یہ بتانے کے لئے کیا ہے کہ جب تک مقامِ نبوّت یا نبی کی صحیح تعریف سامنے نہ ہو مسئلہ ختمِ نبوت سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اسی کو میں ذیل میں مختصر الفاظ میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

(۳) انسانی علم کا ذریعہ مطالعہ، مشاہدہ، تجربہ، تعلیم و تعلّم اور درس و تدریس ہے۔ یہ ذرائع علم ہر شخص کے لئے کھلے ہیں اور جس کا جی چاہے اپنی محنت اور استعداد کے مطابق مطلوبہ علم حاصل کر سکتا ہے۔

لیکن علم کا ایک اور ذریعہ ہے (یا تھا) جو ان ذرائع سے بالکل منفرد اور یکسر الگ تھا۔ اس علم کو خدائے تعالےٰ کسی منتخب ہستی کو براہِ راست عطا کرتا تھا۔ اس میں نہ اُس ہستی کی اپنی فکر کو کوئی دخل ہوتا تھا اور نہ ہی وہ اُسے اپنی محنت اور کاوش سے حاصل کر سکتا تھا۔ اس علم کو وحی کہا جاتا ہے اور جس ہستی کو یہ علم عطا ہوتا تھا، قرآن نے اُسے نبی اور رسول کہہ کر پکارا ہے۔ نبی اور رسول ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ یوں سمجھئے کہ خدا کی طرف سے اس علم کو پانے کی جہت سے وہ نبی کہلاتا ہے اور اسے دوسرے انسانوں تک پہنچانے کی جہت سے رسول۔ بہرحال ہر نبی رسول ہوتا تھا اور ہر رسول نبی۔

(۴) نبی کو جو علم خدا کی طرف سے ملتا تھا، اُسے وحی کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یہی وحی اُس نبی کی کتاب کہلاتی تھی واضح رہے کہ اس کتاب کے لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ ایک ضخیم جلد ہو۔ وحی کا ایک حکم بھی اُس نبی کی کتاب کہلاتا تھا ـــــ کتاب کے معنی حکم یا قانون کے ہیں، لہٰذا کوئی نبی بلا کتاب نہیں آتا تھا۔

(۵) قرآن کی رو سے نبوت کا یہ سلسلہ حضرت نوحؑ سے شروع ہوا۔ اور رفتہ رفتہ آگے بڑھتا گیا۔ ہوتا یہ کہ ایک نبی آیا، وہ خدا کی وحی یا کتاب اپنی اُمّت کو دے جاتا۔ اُس کے بعد یا تو اُس کے نام لیوا اُس میں تحریف کر دیتے اور یا وہ دستبُردِ زمانہ سے ضائع ہو جاتا تو اُس کے بعد ایک اور نبی مبعوث ہو جاتا، علمِ خداوندی کی رو سے سابقہ نبی کی وحی سے جو کچھ باقی رکھنا مقصود ہوتا، اُس نبی کو وہ وحی بھی عطا کر دی جاتی اور اُس کے علاوہ ضرورت کے مطابق مزید احکام بھی دے دیئے جاتے۔

(۶) یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ تا آنکہ مشیتِ خداوندی نے یہ طے کیا کہ اب ایک ایسا ضابطۂ حیات بذریعہ وحی نازل کر دیا جائے جو تمام انسانوں کے لئے قیامت تک کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کے لئے کافی اور وافی ہو۔ یہ ضابطۂ حیات قرآن کریم ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ـــــ اس ضابطہ کے متعلق خود خدائے تعالےٰ نے یہ فرما دیا کہ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۶/۱۱۶) "تیرے ربّ کی باتیں صدق اور عدل کے ساتھ تکمیل تک پہنچ گئیں۔ اب اُنہیں تبدیل

کرنے والا کوئی نہیں"۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور اس کی حفاظت بھی ہمارے ذمے ہے۔

تصریحاتِ بالا سے واضح ہے کہ :۔

(۱) قرآن کریم قیامت تک تمام نوعِ انسان کے لئے ضابطۂ ہدایت ہے۔

(۲) یہ ہر طرح سے مکمل بھی ہے اور غیر متبدل بھی اور

(۳) اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے ضابطۂ ہدایت کی موجودگی میں قیامت تک وحی خداوندی کی ضرورت نہیں پڑ سکتی۔ بالفاظِ دیگر اس ضابطۂ ہدایت کی تکمیل کے ساتھ سلسلۂ نبوت کا خاتمہ ہو گیا ـــــ یہ خدا کی آخری کتاب ہے اور جس ذاتِ گرامیؐ پر یہ کتاب نازل ہوئی تھی وہ خدا کا آخری نبیؐ ـــــ نہ اس وحی کے بعد کسی اور وحی کی ضرورت ہے اور نہ ہی اُس نبیؐ کے بعد کسی اور نبی کے آنے کی گنجائش۔ قرآن خاتم الکتب ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین۔ جو شخص حضورؐ کے بعد اس امر کا دعویٰ کرتا ہے کہ اُسے خدا کی طرف سے وحی ملتی ہے وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے۔ خدا پر افترا کرتا ہے۔ اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں انتہائی گستاخی۔ کیونکہ وحی کے دعوے سے وہ (معاذ اللہ) حضورؐ کا ہمسر ہونے کا مدعی ہو جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ کسی کو حضورؐ کی اطاعت سے نبوت مل سکتی ہے، مقامِ نبوت سے بے خبری کی دلیل ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ نبوت صرف خدا کی طرف سے وہبی طور پر ملتی تھی اور حضورؐ کی ذاتِ گرامی پر اُس کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ بھی واضح رہے کہ نبوت کی مختلف قسمیں نہیں ہوتیں۔ ظلی۔ بروزی۔ حلولی وغیرہ۔ اصطلاحات مجوسیوں کی وضع کردہ ہیں۔ اسلام کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔

(۷) ایک رسول خدا کی وحی کو انسانوں تک پہنچاتا ہی نہیں تھا، بلکہ وہ ایک اُمت کی تشکیل کرتا تھا جو اُس وحی کے مطابق ایک نیا نظام وجود میں لاتی تھی۔ یہ اُمت اُس نبی کی طرف نسبت سے متشکل ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ایک شخص جو حضرت عیسےٰؑ پر ایمان لاتا ہے۔ وہ اُمتِ عیسوی کا فرد کا قرار پاتا ہے۔ جب تک وہ حضرت عیسےٰؑ کو آخری نبی مانتا ہے۔ وہ اُس اُمت کا فرد رہتا ہے۔ لیکن جونہی وہ حضرت عیسےٰؑ کے بعد ایک اور نبی ـــــ (یعنی نبی اکرمؐ) کی نبوت پر ایمان لے آتا ہے، وہ اُمتِ عیسوی سے کٹ کر اُمتِ محمدیہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ اُس وقت حضرت عیسےٰؑ کو بھی خدا کا نبی مانتا ہے۔ اسی مثال سے یہ واضح کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو نبی تسلیم کر لیتا ہے تو وہ اُمتِ محمدیہ سے کٹ کر اُس نئے نبی کی امت میں شامل ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بھی ایمان کیوں نہ رکھتا ہو۔ اس اعتبار سے خدا کے آخری نبیؐ کی طرف نسبت سے بننے والی امت، دین کے نقطۂ نگاہ سے آخری اُمت ہوتی ہے ـــــ اسی اُمت کو مسلمان کہا جاتا ہے ـــــ اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی تسلیم کرتا ہے تو اُسے مسلمان نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ نہ ہی اسے مسلمان قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو اُس مدعی نبوت کو مسلمان کہے۔

(۸) یہ ہے قرآن کریم کی روشنی میں ختم نبوت کا مفہوم، منطوق اور اس کا عملی نتیجہ۔ آپ دیکھیں گے کہ اس میں نہ کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے نہ بحث و تمحیص کی ضرورت۔ بات بالکل واضح ہے۔

(۹) میں نے اس جگہ اس اہم مسئلے پر نہایت مختصر الفاظ میں گفتگو کی ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف مرتب کی ہے جو اس وقت کتابت و طباعت کے ابتدائی مراحل میں ہے، اُس میں ان نکات کی پوری پوری تفصیل آجائے گی۔ ویسے میں نے اس موضوع پر اپنی کتاب ـــ شاہکار رسالت، عمر فاروقؓ ـــ کے آخری باب میں بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔

میں اس مقالہ کو اُن الفاظ پر ختم کرنا چاہتا ہوں جو میری مایۂ ناز تصنیف "معراجِ انسانیت" کے اختتامیہ کا مقطع کا بند ہیں اور میرے لئے باعث صد فخر و سعادت۔

"خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا۔ آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جاتے تھے، وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے نہ کسی دوسری مشعلِ راہ کی ضرورت رہی اور نہ کسی اور ہادئ طریقت کی احتیاج۔ اب انسانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اُس ذاتِ اقدس و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر دیدہ ور پکار اُٹھتا ہے کہ ؎

مقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفیٰؐ رو

والسلام

اِسے نوٹ کر لیجیے

(۱) اگر آپ ایک سو روپیہ جمع کرا کر پیشگی خریداروں کی فہرست میں شامل ہو جائیں تو ادارہ کی طرف سے شائع کردہ جو کتاب بھی آپ چاہیں آپ کو محصولڈاک ادا کئے بغیر مل جائے گی اور اس کا باقاعدہ حساب رکھا جائے گا۔

(۲) پرچہ نہ ملنے کی صورت میں متعلقہ ماہ کی پندرہ تاریخ تک اطلاع بھیج دیجئے۔ اسکے بعد اطلاع ملنے پر اگر پرچہ موجود ہوا تو قیمتاً مل سکے گا۔

(ناظم)

لاہور میں قیام کیلئے

صاف ستھرے ہوادار کمرے مناسب شرح پر۔ نیز عمدہ لذیذ اور پسندیدہ کھانوں کے لئے معیاری طعامگاہ

PARKWAY
پارک وے ہوٹل
HOTEL

آپ کی تشریف آوری کیلئے چشم براہ

مینجر پارک وے ہوٹل۔ نزد ریلوے سٹیشن۔ لاہور

لاہوری "احمدیوں" کی پوزیشن

روزنامہ نوائے وقت لاہور نے اپنی اشاعت بابت ۱۱ر جون کے صفحہ اول پر چوکھٹے کے اندر جلی سرخیوں کے ساتھ انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے ایک اعلان شائع کیا جس میں کہا گیا کہ مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ وہ مدعی نبوت کو کافر اور ملعون قرار دیتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ یہ اعلان خلاف حقیقت اور مغالطہ آفرینی پر مبنی تھا، اس لئے ناظم ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے حسب ذیل خط ۱۲ر جون کو مدیر نوائے وقت کے نام بھیجا گیا۔ لیکن اسے انہوں نے (تادم تحریر) اپنے ہاں شائع نہیں کیا۔ چونکہ ختم نبوت کا جو مسئلہ عنقریب مجلس قانون ساز میں زیر بحث آنے والا ہے۔ اس میں اس سوال کو بڑی اہمیت حاصل ہوگی۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ اس خط کو طلوع اسلام میں شائع کر دیا جائے۔ ملاحظہ فرمائیے:

"نوائے وقت کی ۱۱ر جون ۱۹۷۴ء کی اشاعت میں "احمدی" حضرات کی لاہوری شاخ کے جو عقائد شائع ہوئے ہیں وہ سخت مغالطہ آفرینی پر مبنی ہیں ـــــ اور ان سے بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ نے اپنی ۱۲ر جون کی اشاعت میں اس کے ازالہ کی کوشش فرمائی ہے لیکن ہمارے نزدیک اس سے بھی لاہوری احمدیوں کی صحیح پوزیشن واضح نہیں ہوتی۔ میں شکر گزار ہوں گا اگر آپ میری اس چٹھی کو نوائے وقت میں شائع فرما دیں۔

(۲) ہمارے زمانے میں دو شخصوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ـــــ ایک ایران کے مرزا بہاء اللہ اور دوسرے قادیان کے مرزا غلام احمد۔ اول الذکر نے اپنے دعویٰ کے ساتھ یہ اعلان بھی کر دیا کہ وہ ایک جداگانہ مذہب کے بانی ہیں اور مسلمانوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کے برعکس مرزا صاحب نے اپنے آپ کو اور اپنے متبعین کو نہ صرف مسلمان کہا بلکہ دعویٰ یہ کیا کہ مسلمان ہیں ہی وہی۔ انہیں نہ ماننے والے مسلمان نہیں ہیں۔

ان ہر دو باطل مدعیان نبوت کے موقف میں یہی وہ بیّن فرق تھا جس کی بناء پر علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ بہائیت کا موقف مرزائیت کے مقابلے میں "دیانتدارانہ" ہے۔

(۳) مرزا صاحب کے متبعین دو فرقوں میں بٹ گئے ـــــ ایک قادیانی اور دوسرے لاہوری۔

ـــــ قادیانیوں نے کھلے بندوں کہا کہ مرزا صاحب کا نبوت کا دعویٰ تھا۔ وہ صاحب کتاب، صاحب شریعت نبی تھے۔ اور انہوں نے ایک الگ اُمت متشکل کی تھی۔ اس کے برعکس لاہوری جماعت ۱۹۱۴ء تک تو انہی عقائد کی علمبردار رہی جو قادیانیوں کے تھے لیکن اس کے بعد انہوں نے ان سے الگ ہو کر کہا کہ ہم مرزا صاحب کو نبی

نہیں مانتے۔ ہم اُنہیں صرف مجدّد۔ محدّث۔ مہدی۔ مسیح موعود مانتے ہیں۔ وہ گذشتہ ساٹھ برس سے مرزا صاحب کے متعلق یہی پراپیگنڈہ کر رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کی حقیقی پوزیشن عام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کر دی گئی۔

ہم علامہ اقبالؒ کے اتباع میں یہ کہیں گے کہ ان دونوں فریقوں میں قادیانیوں کی پوزیشن مقابلتاً "دیانتدارانہ" ہے کہ وہ مرزا صاحب کے دعوے کو دھڑلے سے پیش کرتے ہیں۔

(۴) محترم پرویز صاحب، مرزا صاحب کو "تدریجی نبی" کہا کرتے ہیں یعنی جو شخص آہستہ آہستہ، درجہ بدرجہ مدعیٔ نبوت بنا ہو۔ مرزا صاحب نے اپنے اولین دور میں وہی دعاوی پیش کئے تھے جنہیں لاہوری حضرات دہراتے رہتے ہیں۔ اور آخری دور میں نبوت کا دعوے کیا تھا جسے یہ حضرات گول کر جاتے ہیں۔ قادیانی اور لاہوری جماعتوں میں جو باہمی اختلاف چلا آتا ہے۔ اُس کے متعلق مرزا بشیر الدین محمود کا حسب ذیل قول اس نزاع کی وضاحت کر دیتا ہے۔ اُنہوں نے اپنی کتاب "القول الفصل" میں لکھا تھا:

> غرضیکہ مذکورہ بالا حوالہ سے صاف ثابت ہے کہ تریاق القلوب کی اشاعت تک (جو کہ اگست ۱۸۹۹ء سے شروع ہوئی اور اگست ۱۹۰۲ء میں ختم ہوئی) آپ کا عقیدہ یہی تھا کہ آپ کو حضرت مسیح پر جزوی فضیلت ہے اور آپ کو جو نبی کہا جاتا ہے تو یہ ایک قسم کی جزوی نبوت ہے اور ناقص نبوت۔ لیکن بعد میں ..... آپ کو خدائے تعالےٰ کی طرف سے معلوم ہوا کہ آپ ہر ایک شان میں مسیح سے افضل ہیں اور کسی جزوی نبوت کے پانے والے نہیں بلکہ نبی ہیں ..... پس ۱۹۰۲ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہو سکتا۔
>
> (القول الفصل۔ صفحہ ۲۴)

لاہوری حضرات مرزا صاحب کی ۱۹۰۲ء سے پہلے کی تحریروں کے حوالے دے کر لوگوں کو دھوکے میں رکھتے ہیں۔

(۵) لاہوری جماعت اس کی بہرحال مدعی ہے کہ قادیانی جماعت مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی مانتا ہو۔ اس کے دائرۂ اسلام سے خارج ہو جانے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور یہ بھی واضح ہے کہ جو شخص کسی ایسے شخص کو مسلمان تسلیم کرتا ہے وہ خود بھی مسلمان قرار نہیں پا سکتا۔ لیکن لاہوری حضرات، قادیانی حضرات کو بھی غیر مسلم قرار دینے کے حق میں نہیں۔ سال گذشتہ جب یہ سوال اٹھا کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے تو لاہوری جماعت کے ترجمان 'پیغام صلح' نے اپنی اشاعت بابت ۳۰ مئی ۱۹۷۳ء کے اداریہ میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھا کہ:

> ان حالات میں اول تو کسی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا صحیح نہیں۔ اور اگر اس شوق کو پورا ہی کرنا ہے ..... تو کم از کم احمدیوں کے اُس گروہ کو اس سے مستثنیٰ کرنا ضروری ہے جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی نبی کے آنے کے قائل نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم قادیانی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے حق میں ہیں۔ ہمارے نزدیک قادیانی ہو یا غیر قادیانی ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ اس کو غیر مسلم قرار دینا کسی صورت میں جائز نہیں۔

اس سے خود لاہوری جماعت کی پوزیشن واضح ہو جاتی ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی ماننے والوں کو بھی

غیر مسلم قرار دینے کے لئے تیار نہیں۔

(۶) آخر میں ہم ایک ایسی چیز پیش کرتے ہیں جو اس باب میں قولِ فیصل ہے۔ لاہوری جماعت مرزا صاحب کے اس قول کو بار بار دہراتی رہتی ہے:

ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی اور الہام من جانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم و تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیلی یا تغیر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔

(ازالۂ اوہام صفحہ ۱۳۸۔ بحوالہ پیغام صلح، بابت ۵ر دسمبر ۱۹۷۳ء)

یوں تو قرآن کریم کا ہر چھوٹا بڑا حکم، حکم خداوندی ہے، اور مرزا صاحب کے مندرجہ بالا فیصلہ کا ان سب پر یکساں اطلاق ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے جہاد (قتال بالسیف یعنی تلوار کے ساتھ جنگ) کو جو اہمیت دی ہے وہ کسی بھی مسلمان سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن مرزا صاحب نے اس جہاد بالسیف کو منسوخ قرار دیا۔ ان کے الفاظ ہیں:

آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا، خدا کے حکم سے بند ہے۔ ... میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں۔

(اربعین ع۴ صفحہ ۷ لہ)

لاہوری جماعت کو اس کا اعتراف ہے کہ مرزا صاحب نے واقعی تلوار کے جہاد کو منسوخ قرار دے دیا تھا۔ پیغام صلح بابت ۲۸ر جولائی ۱۹۷۳ء کے افتتاحیہ میں اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ مرزا صاحب نے جہاد کو حرام قرار دیا تھا، کہا گیا کہ:

معلوم ہونا چاہیئے کہ جہاد دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جہاد جو ارشادِ الٰہی قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم کی تعمیل میں کفار کے حملہ کے جواب میں قتال کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ اور دوسری قسم کا جہاد اسلام پر اعتراضات کے دفعیہ اور تبلیغ اسلام کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس دوسری قسم کے جہاد کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہادِ اکبر قرار دیا ہے۔ ...

مرزا صاحب نے جہاد کو مطلقاً منسوخ نہیں کیا۔ انہوں نے علمائے اسلام کی تائید میں جہاد اصغر (یا تلوار کے جہاد کو) منسوخ قرار دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں جہادِ اکبر کو جاری رکھا۔

"جہادِ اکبر" اور "اصغر" کی بحث میں الجھے بغیر یہ واضح ہے کہ لاہوری جماعت کو یہ تسلیم ہے کہ مرزا صاحب نے تلوار کے جہاد کو منسوخ قرار دے دیا تھا جس کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس کے بعد خود مرزا صاحب کے فیصلے کے مطابق، مرزا صاحب اور ان کے متبعین کے دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے کے سوال کے بارے میں دو آراء ہی نہیں ہو سکتیں۔ یہ سب دائرہ اسلام سے خارج قرار پاتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ان حقائق کی روشنی میں جنہیں پرویز صاحب کی زیر کتابت تصنیف "ختم نبوت" سے اخذ کیا گیا ہے، احمدی حضرات کی پوزیشن واضح ہو جائیگی۔ خواہ ان کا تعلق قادیانی جماعت سے ہو۔ اور خواہ لاہوری جماعت سے۔ اس باب میں قولِ فیصل یہ ہے کہ جو شخص مرزا صاحب کو مسلمان سمجھتا ہے۔ وہ خود بھی مسلمان نہیں قرار پا سکتا۔ والسلام

تبویب القرآن

(قرآنی انسائیکلوپیڈیا)

(پرویز)

میری زندگی کا مشن، خدا کی کتاب عظیم (قرآن کریم) کا سمجھنا اور اسے دوسروں کو سمجھانا ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے جن دشوار گزار منزلوں سے مجھے گزرنا پڑا، انہیں چھوڑ دیئے۔ اسے سمجھانے کے لئے میں نے جو تجربات کئے اور جن نئے نئے طریقوں سے کام لینا پڑا، ان پر میرے وہ مقالات، خطابات، درس، اور ضخیم مجلدات شاہد ہیں جو گذشتہ قریب چالیس سال سے منصۂ شہود پر آ رہے ہیں۔ ان کے عنوانات مختلف ہونگے۔ ان کے طرق و اسالیب بھی متنوع ہوں گے۔ لیکن قبلۂ مقصود ان سب کا ایک ہی ہے۔ یعنی قوم (بالخصوص نژادِ نو) کو قرآن کریم کے قریب لانا اور ان کے دل میں اس کا شوق پیدا کرنا کہ وہ اس عظیم کتاب کو، جو حقائق کائنات کا عدیم النظیر مرقع ہے، از خود سمجھیں۔ قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے دو اصولی تقاضے بنیادی ہیں۔ یعنی محاورۂ عرب اور تصریف آیات۔ قرآن کریم نے اس کی خود تصریح کی ہے کہ وہ عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے، لہٰذا اسے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ معلوم اور متعین کیا جائے کہ زمانہ نزولِ قرآن کے عرب، اس کے الفاظ کا مفہوم کیا لیتے تھے۔ اور جن الفاظ کو وہ بطور اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ ان کا صحیح (قرآنی) مفہوم کیا ہے۔ اس مقصد کے لئے میں نے، برس ہا برس کی دیدہ ریزی اور جگر کاوی سے وہ لغات مرتب کی، جو چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس لغات سے استفادہ کرنے والوں کی رائے ہے کہ یہ اپنے انداز کا منفرد گنجینہ ہے۔ اور اگر تھوڑی سی محنت و کاوش سے اس کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے قرآن فہمی کے راستے صاف ہو جاتے ہیں۔ اربابِ ذوق نے اس لغات کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور نہایت جذب و شوق سے اس سے استفادہ کیا۔ لیکن اس کے بعد اُن کا تقاضا یہ ہوا کہ قرآنی مفردات کے ان معانی کی روشنی میں، جو اس لغات سے متعین ہوتے ہیں۔ پورے کے پورے قرآن مجید کا مفہوم بھی مرتب کر دیا جائے۔ چونکہ (جیسا کہ میں نے شروع میں کہا ہے) تفہیم القرآن (قرآن کریم کا سمجھانا) میری زندگی کا مشن ہے۔ اس لئے میں نے اربابِ ذوق کا یہ تقاضا بھی پورا کر دیا۔ تیس پاروں پر مشتمل، مفہوم القرآن ان کے اسی تقاضا کی تکمیل کا سامان ہے۔ للہ الحمد کہ میری یہ کوشش بھی بڑی بار آور ثابت ہوئی اور

اس سے قرآن کی روشنی دُور دُور تک پھیل گئی۔ اب احباب کا مشورہ (بلکہ تقاضا) یہ ہے کہ مفہوم القرآن کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا جائے تاکہ اس طرح، نہ صرف یہ کہ مغربی مفکرین صحیح قرآنی حقائق سے آشنا ہو سکیں، بلکہ ہماری نئی نسل بھی، جس کے لئے اردو بھی اب اجنبی زبان بن رہی ہے، اس سے بہرہ یاب ہو سکے۔ میں اس تجویز کی افادیت سے بالکلیہ متفق ہوں، اور اسے عملی پیکر میں لانے کے لئے متفکر۔ وبیدہ التوفیق۔

اب ہم قرآن فہمی کے دوسرے تقاضا کی طرف آتے ہیں۔ یعنی تصریف آیات۔ ہماری علمی تصانیف کا انداز یہ ہوتا ہے کہ کتاب کا خاص موضوع ہوتا ہے۔ پھر اسے مختلف ابواب میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، اور مصنف نے جو کچھ کہنا ہوتا ہے، ہر باب کے تحت اسے مربوط انداز سے لکھتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح وہ کتاب اپنے موضوع پر مستقل تصنیف یا تالیف بن جاتی ہے، اور فہرست مضامین یا شماریہ (انڈکس) سے بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں بات کہاں ملے گی۔

قرآن مجید کا یہ انداز نہیں۔ اس کی تعلیم، اس کے تیس پاروں میں بکھری ہوئی ہے۔ اس میں ایک مقام پر ایک بات کہی گئی ہے۔ دوسری جگہ اس کی تشریح ہے، کسی اور مقام پر اس میں اضافہ ہے کہیں استثناء۔ کہیں اسے تاریخی شواہد کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ کہیں حقائق کائنات کے پیرایہ میں۔ (یہ انداز کس قدر مؤثر اور حقیقت کُش ہے، اس کی وضاحت کا یہ مقام نہیں۔ اس وقت میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ) اس اسلوب بیان کا لازمی تقاضا ہے کہ آپ جس موضوع کے متعلق معلوم کرنا چاہیں کہ قرآن نے اس باب میں کیا کہا ہے، قرآن کے وہ تمام مقامات آپ کے سامنے ہوں جن میں اس نے اس موضوع کے متعلق کچھ کہا ہے ـــ صراحتاً۔ کنایتہً۔ استعارتہً۔ تائیداً۔ تردیداً ـــ اسے تصریف آیات کہتے ہیں۔ قرآن کریم نے خود کہا ہے کہ اس نے اپنی تعلیم کو تصریف آیات سے سمجھایا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے قرآن کریم پر کافی عبور حاصل ہونا چاہئے اور بڑی گہری نظر۔ میں نے قرآن کریم کو اسی انداز سے سمجھا ہے۔ ارباب ذوق کا تقاضا تھا کہ انہیں بھی قرآن اسی انداز سے سمجھایا جائے۔ یعنی جو موضوع ذہن میں آئے۔ بیک نظر سامنے آجائے کہ قرآن کریم نے اس کے متعلق کیا کچھ اور کہاں کہاں کہا ہے۔ بالفاظ دیگر، قرآنی حقائق کو (SUBJECT - WISE) موضوعات کے اعتبار سے (CLASSIFY) کر دیا جائے۔ اسے عربی زبان میں، تبویب (باب باب کرنا) کہتے ہیں۔ میں نے اس کو ہمکنی کو بھی اپنے ذمہ لے لیا اور (اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ جن کا تعلق میرے مشن اور تحریک سے ہے) اس پر مسلسل محنت کرتا رہا۔ اس پروگرام میں سب سے مشکل (لیکن بنیادی) مرحلہ، موضوعات کا تعین تھا۔ میں نے سینکڑوں موضوع متعین کئے۔ اور ہر موضوع پر قرآنی آیات کو یکجا کرتا اور انہیں ربط کی لڑیوں میں پروتا چلا گیا لیکن قرآن تو ایک بحر ناپیدا کنار ہے جس کا احاطہ کسی ایک دَور کا انسان کر نہیں سکتا۔ ہوتا یہ کہ میں بظاہر مطمئن ہو جاتا کہ میں نے تمام ضروری موضوعات کو سمیٹ لیا ہے۔ لیکن جب پھر قرآن کے ورق اُلٹتا تو نئے نئے موضوع سامنے آجاتے۔ اس سے میں، علی وجہ البصیرت، اس نتیجہ پر پہنچا کہ میں (یا کوئی اور انسان) کبھی اس کا دعوےٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے قرآن مجید کے تمام حقائق کا احاطہ کر لیا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن کریم نے ان (تشبیہی) الفاظ

میں بیان کیا ہے کہ

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ط .... (۳۱/۲۷ ، ۱۸/۱۰۹)

اگر روئے زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں ، اور تمام سمندر، جن کے ساتھ اُتنے ہی سمندر اور ملا دیئے جائیں - روشنائی (اور ان سے خدا تعالےٰ کی باتیں لکھنا چاہو) تو یہ سب ختم ہو جائیں لیکن خدا تعالےٰ کی باتیں ختم نہ ہوں -

سچ کہا تھا سعدیؒ نے کہ

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

احباب کی بیتابی تھی بار بار دریافت کرتی کہ تبویب القرآن کب تک مکمل ہوگا - اور میری یہ کیفیت کہ جب اسے (اپنی طرف سے) مکمل سمجھتا - اور قرآن کے اوراق دوبارہ اُلٹتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے میں نے ابھی اس کی ابتدا ہی کی ہے - بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس لامتناہی سلسلہ کے متعلق یہ سوچنا کہ جب یہ تکمیل تک پہنچ جائے تو اسے شائع کیا جائے - "خیال است و محال است و جنوں" بہتر یہی ہے کہ ارباب ذوق کے انتظار کی مدت کو ختم کیا جائے اور جو کچھ اس وقت تک ہو سکا ہے - اسے پیش کر دیا جائے - اگر میری عمر نے ایفا کیا تو میں خود اس میں اضافے کرتا رہوں گا - اور ایسا نہ بھی ہوا تو بعد میں آنے والے اس دیوار پر ردّے رکھتے جائیں گے - یہ سلسلہ جاری رہے گا - ھی حتّٰی مطلع الفجر -

اس ضمن میں اتنا عرض کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں، میں نے جو کچھ کیا ہے، تنہا کیا ہے - میں اب بھی جو کچھ کر رہا ہوں ، تنہا کر رہا ہوں - مجھے کوئی رفیق میسر نہیں آسکا - اب میں عمر کے اس مرحلہ میں پہنچ چکا ہوں جہاں قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں - اور پہلی سی توانائی باقی نہیں رہتی - لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر توانائی کم ہوتی جاتی ہے - "جوشِ جنوں" اتنا ہی زیادہ ہوتا جاتا ہے شاید فطرت کا طریق کار یہی ایسا ہے کہ جس دن (طبعی) توانائی ختم ہو جائے ، یہ 'جوشِ جنوں' اپنی انتہا تک پہنچ جائے - اور اس کے زورِ دروں سے 'زندگی آگے بڑھ کر، نئی منزلوں میں داخل ہو جائے اور " اولوا بقیۃ " کے سامنے کام کے نئے پروگرام آجائیں - یہ کیفیت اُخروی زندگی پر یقینِ محکم سے حاصل ہوتی ہے

بہر حال یہ ہے تبویب القرآن کی داستانِ تالیف و ترتیب -

اب رہا اس کی اشاعت کا سوال سو یہ ایک بہت طلب منصوبہ ہے - جو میں نہیں کہہ سکتا کہ کب اور کیسے روبہ عمل آسکے گا - اس اثنا میں میں نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ احباب سے مشورہ کر لیا جائے کہ اس کی طباعت کا انداز کیا ہونا چاہیئے - اس وقت مسودہ جس شکل میں ہے ، اس کا ایک عنوان بطور نمونہ پیشِ خدمت ہے - احباب سے درخواست ہے کہ وہ اسے بغور دیکھیں اور ذیل کے امور پر غور فرمائیں -

(۱) عنوانات کے نیچے متعلقہ آیات کے صرف حوالے دیئے گئے ہیں - مثلاً ۲ : ۱۰ سے مراد ہے دسویں سورت

(سورۂ یونس) کی دوسری آیت بعض احباب کی تجویز تھی کہ حوالوں کی بجائے، پوری کی پوری آیات معہ ترجمہ لکھی جائیں ظاہر ہے کہ ایسا کیا جائے تو اس کے لئے متعدد ضخیم جلدیں درکار ہونگی۔ قرآن کریم ہر گھر میں موجود ہوتا ہے۔ اس میں متعلقہ آیات دیکھ لی جائیں اور مفہوم القرآن سے ان کا مفہوم سمجھ لیا جائے۔ اس میں کچھ محنت ضرور درکار ہوگی لیکن اس سے جس طرح قرآنی حقائق آپ کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتر جائیں گے وہ آپ کی محنت کا بہت بڑا صلہ ہوگا۔

(۲) بعض دوستوں کی تجویز تھی کہ جس طرح (مثلاً انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا) میں مختلف عنوانات کے تحت 'مبسوط، مربوط'، جامع مقالات درج ہوتے ہیں۔ تبویب القرآن میں بھی اسی انداز کے مقالات ہونے چاہئیں۔ تجویز کی افادیت سے انکار نہیں لیکن اس کے لئے اب میرے پاس وقت نہیں عمر کے بقایا حصہ میں میرے پیشِ نظر ایک اور منصوبہ ہے اور وہ اس سے بھی اہم ہے۔

(۳) ہر عنوان کے شروع میں، اس کا تمہیدی تعارف دے دیا گیا ہے۔ لیکن یہ تعارف نہایت مختصر ہے۔ تفصیلی تعارف 'لغات القرآن' میں ملے گا۔ واضح رہے کہ 'تبویب القرآن'، قرآن کریم کی تفسیر نہیں۔ اس سے مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ فلاں موضوع یا عنوان کے متعلق قرآنِ کریم میں کیا کیا آیا ہے اور کہاں کہاں۔

(۴) انسائیکلوپیڈیا کے انڈکس کو بڑی بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ عام فہرستوں میں تو صرف ابواب کے عنوانات دیئے جاتے ہیں۔ یا مختصر سے ذیلی اشارات۔ لیکن انسائیکلوپیڈیا کے ایک عنوان کے تابع بہت سے ذیلی عنوانات آجاتے ہیں۔ انڈکس، حروفِ ابجد کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔ میں نے انڈکس اس طرح مرتب کیا ہے کہ اصل عنوان، اپنے مقام پر دیا گیا ہے، اور اس کے ذیلی عنوانات اپنے اپنے مقامات پر اس طرح کہ ان کے سامنے قوسین میں، اصل عنوان لکھ دیا گیا ہے۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ ان ذیلی عنوانات کے متعلق اصل عنوان دیکھئے۔ مثلاً نمونہ کے طور پر جو عنوان (وحی) آپ کے سامنے آرہا ہے، انڈکس میں وہ یوں ملے گا۔

وحی	—— اصل عنوان ——	واؤ کے نیچے
کلام اللہ	(وحی)	ک کے نیچے
رسول	(وحی)	ر کے نیچے
جبرئیل	(وحی)	ج کے نیچے
ملائکہ	(وحی)	م کے نیچے

وقس علیٰ ھذا

واضح رہے کہ کلام اللہ۔ رسول۔ نبی۔ جبرئیل۔ ملائکہ وغیرہ اصل عنوانات کے تابع بھی آئے ہیں۔ لیکن جہاں ان کا ذکر ضمنی طور وحی کے سلسلہ میں آیا ہے۔ انڈکس میں انہیں بھی اپنے اپنے مقام پر لکھ دیا گیا ہے۔ اس طرح انڈکس میں صدہا عنوانات آگئے ہیں۔

(۵) اس قسم کی کتابیں ٹائپ میں صحیح بھی چھپتی ہیں اور صاف ستھری بھی لیکن تجربہ نے بتایا ہے کہ ہمارے ہاں ہنوز ٹائپ سے نگاہیں مانوس نہیں ہوئیں۔ اس لئے، قاری نستعلیق کی چھپائی کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ یہ کتاب (جب بھی شائع ہوئی) غالباً نستعلیق میں چھپے گی۔ البتہ میں اتنا ضرور تجویز کروں گا کہ اس میں (حوالوں کے)

ہندسے، اُردو کے بجائے انگریزی کے دیئے جائیں۔ تجربہ نے بتایا ہے کہ نستعلیق رسم الخط میں اُردو کے ہندسے صاف نہیں چھپتے۔ اور تبویب میں حوالوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ایک غلط حوالہ، قاری کو الجھن میں ڈال دیگا۔

احباب سے میری درخواست ہے کہ

(۱) وہ مندرجہ بالا نکات کے سلسلہ میں مجھے اپنے مشوروں سے مستفید فرمائیں۔ تاکہ میں، مناسب تجاویز کی روشنی میں، حتی الامکان، مسودہ میں ردّ و بدل کر سکوں۔ مقصد پیشِ نظر یہ ہے کہ یہ کوشش زیادہ سے زیادہ مفید کس شکل میں ہوگی۔

(۲) آپ کے ذہن میں جو موضوعات آئیں۔ ان سے بھی مجھے مطلع فرمایئے۔ میں اپنی فہرست کو چیک کرلوں گا اور اگر کوئی موضوع ایسا ہُوا جو میرے مسودہ میں نہیں آیا۔ تو اس کا اضافہ کرلیا جائے گا۔ جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے، یہ سلسلہ تو جاری و ساری رہے گا۔

(۳) "تبویب القرآن" کچھ فنی اور ثقیل سا نام ہے۔ اُردو دان طبقہ اس سے مانوس نہیں۔ اگر آپ کے ذہن میں اس کا کوئی عام فہم نام آئے تو اس سے بھی مطلع فرمایئے۔

احباب کے اس تعاون کے لئے میں ان کا شکر گزار ہونگا۔

نمونہ، تبویب القرآن

وحی

وحی کے لغوی معنی ہیں :

(۱) نہایت تیز اشارہ — الوحی - جلدی کرنا۔ تیزی کرنا۔

(۲) کتابت (لکھنا) — الوحی - لکھی ہوئی چیز۔

(۳) حکم کرنا - حکم دینا۔

(۴) ہر وہ شے جسے کوئی کسی دوسرے تک پہنچا دے۔ خواہ اس کے پہنچانے کا طریقہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن اس کے اصطلاحی معنی ہیں، خدا کی طرف سے کسی انسان کو براہ راست علم حاصل ہونا۔ یعنی ایسا علم جس میں اس انسان کی اپنی عقل و فکر کا کوئی دخل نہ ہو۔ اسے منزل من اللہ بھی کہتے ہیں۔ اس قسم کا علم صرف حضرات انبیاء

تک مخصوص تھا۔ اسے وحی کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یا خدا کے کلام سے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ (وحی) لغوی معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اور اصطلاحی معنوں میں بھی۔ اصطلاحی معنوں میں جو وحی حضرات انبیاء کرام کو ملتی تھی اس کی کنہ و حقیقت کو غیر از نبی کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ نہ ہی کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ نبی کو وہ علم کس طرح ملتا تھا۔ یہ سلسلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ختم ہو گیا۔ اب کسی انسان کو خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل نہیں ہو سکتا ـــــ خواہ اس کا نام وحی رکھ لیا جائے یا کشف، والہام۔ خدا سے ہمکلامی یا مبشرات۔ ختم نبوت کے بعد اس قسم کے علم حاصل ہونے کے امکان کا تصور، نبوت کے بند کردہ دروازہ کو کھولنے کے مترادف ہے۔

جو وحی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی تھی وہ بتمامہٖ قرآن کریم کے اندر اپنی اصلی اور غیر محرف شکل میں محفوظ ہے۔ نہ اُس وحی کا کوئی ایک لفظ بھی قرآن کے اندر درج ہونے سے رہ گیا ہے، نہ ہی قرآن کے باہر وہ کہیں اور جگہ ہے۔ اس وحی کی ایک ہی قسم تھی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس وحی کی دو قسمیں تھیں ـــــ ایک وحی جلی یا وحی متلو ـــــ جو قرآن کے اندر ہے۔ اور دوسری وحی خفی یا وحی غیر متلو۔ جو قرآن سے باہر ہے۔ اس کی کوئی سند قرآن سے نہیں ملتی۔ یہ تصور غیر قرآنی ہے۔

(۲) واضح رہے کہ انبیاءؑ پر جو وحی نازل ہوتی تھی اس کے الفاظ بھی خدا کی طرف سے ہوتے تھے۔ یہ نہیں کہ محض ایک خیال ان کے دل میں ڈال دیا جاتا تھا جس کا اظہار وہ اپنے الفاظ میں کرتے تھے۔ کوئی خیال بغیر الفاظ کے دل میں آ ہی نہیں سکتا۔ یہ نفسیاتی ناممکنات میں سے ہے۔ لہٰذا، وحی غیر متلو کا تصور ہی غلط ہے۔

(اس سلسلہ میں عنوانات مثل قرآن - نبی - رسول - نزول - الہام بھی دیکھئے)

(۳) اشیائے کائنات اپنے فرائض حیات، جبلی تقاضوں کی رو سے سرانجام دیتے ہیں۔ اُنہیں بھی وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً شہد کی مکھی کی طرف وحی۔

رسولؐ اللہ کی طرف وحی

(۱) اس طرح تیرے ربّ نے تیری طرف اس پُر حکمت (قرآن) کو وحی کیا۔ (17 : 39)

(۲) رسولؐ اللہ کی طرف اور انبیائے سابقہ کی طرف وحی کہ شرک نہ کریں۔ (39 : 65)

(۳) جو وحی تیری طرف کی جاتی ہے اس سے متمسک رہو۔ (43 : 43)

(۴) کہو کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ صرف نوردوں کی ایک جماعت نے قرآن سُنا تھا۔ (72 : 1)

(۵) جو وحی تیری طرف کی جاتی ہے۔ اس کا اتباع کرو۔ (6 : 107)، (6 : 50)، (10 : 15)، (46 : 9)، (33 : 2)، (10 : 109)، (7 : 203)

(۶) جو کتاب تیری طرف وحی کی جا رہی ہے اسے پیش کرو (یا اس کا اتباع کرو۔ تلاوت) (18 : 27)، (29 : 45)

(۷) کہو کہ جو وحی میری طرف کی گئی ہے اس میں میں بجز ان چار چیزوں کے اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ (6 : 146)

(۸) خدا نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کرنا مطلوب تھا۔ (53 : 10)

(۹) میری طرف یہ قرآن وحی ہوا ہے تاکہ میں تمہیں بھی، اور جن تک یہ پہنچے، انہیں بھی، اس کے ذریعے ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کروں۔ (6 : 19)

(۱۰) جو وحی تیری طرف کی گئی ہے اسے اپنی قوم کے سامنے پیش کرو۔ (30 : 13) و (45 : 29)

(۱۱) اگر خدا کی مشیت ہوتی تو وہ اس وحی کو لے جاتا اور حضورؐ کچھ بھی نہ کر سکتے۔ (یہ بھی اس حقیقت کی دلیل ہے کہ وحی رسول کی اپنی فکر کی پیدا کردہ نہیں ہوتی تھی)۔ (17 : 86)

(۱۲) خدا نے تیری طرف وحی کی (جس طرح انبیاء سابقہ کی طرف دین بھیجا تھا)۔ (42 : 13)، (35 : 31)، (42 : 3)

(۱۳) مخالفین کی سازش کہ حضورؐ کو وحی کی طرف سے بہکا دیں تاکہ آپؐ خدا کے خلاف افترا کریں۔ (17 : 73)

(۱۴) کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہو رہا ہے کہ انہی میں سے ایک انسان پر کیوں وحی کی گئی ہے۔ (10 : 2)

(۱۵) اسی طرح وحی جس طرح انبیاء سابقہ کی طرف وحی کی گئی تھی۔ (4 : 163)

(۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کہ اتباع ملت ابراہیمیؑ کریں۔ (16 : 123)

(۱۷) حضورؐ کی طرف قرآناً عربیاً وحی کیا گیا۔ (42 : 7)، (12 : 3)، (6 : 19)، (35 : 31)

(۱۸) انسانوں کے ساتھ کلام خداوندی کے تین طریقے۔ اسی طرح حضورؐ کی طرف وحی کی گئی۔ اس سے پہلے حضورؐ جانتے ہی نہیں تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا۔ (42 : 51 - 52)

(۱۹) رسول کا پیغام اس کی اپنی فکر کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ وحی ہوتی ہے۔ (53 : 3 - 4)

(۲۰) ان سے کہہ دو کہ میں تمہیں وحی کے ذریعے آگاہ کرتا ہوں۔ (45 - 21)

(۲۱) قرآن کے معاملہ میں جب تک اس کی وحی پوری نہ ہو جائے، جلدی مت کرو۔ (20 : 114)

(۲۲) کہو کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں اس فرق کے ساتھ کہ میری طرف وحی ہوتی ہے۔ (18 : 110)، (41 : 6)

(۲۳) میری طرف وحی ہوتی ہے کہ میں نذیر مبین ہوں۔ (38 : 70)، (21 : 108)

(۲۴) تو لوگوں کے طعنوں سے ڈر کر وحی کو ترک نہیں کر سکتا۔ (12 : 11)

(۲۵) میں اگر ہدایت پر ہوں تو وحی کی رو سے ہوں۔ اور غلطی کرتا ہوں تو وہ میرے اپنے فیصلے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (34 : 50)

(۲۶) غیب کے امور وحی کے ذریعے بتائے جاتے تھے۔ (43 : 3)، (11 : 49)، (12 : 102)

(۲۷) ساری وحی متلو تھی۔ (29 : 45)

دیگر انبیاءؑ کی طرف وحی

(۱) اس سے زیادہ ظالم کون ہے جسے خدا کی طرف سے وحی نہ ہوا اور وہ کہے کہ مجھ پر وحی ہوئی ہے۔ (6 : 94)

(۲) حضرت موسےٰؑ و ہارونؑ نے کہا کہ خدا نے ہماری طرف وحی کی ہے۔ (20:48)، (10:87)

(۳) رسولوں کی طرف وحی کہ خدا ظالمین کو ہلاک کردے گا۔ (14 : 13)

(۴) حضرت نوحؑ کی طرف وحی۔ (11 : 36)

(۵) رسول اللہ کی طرف اسی طرح وحی کی گئی تھی جس طرح انبیائے سابقہ کی طرف وحی کی گئی تھی۔ (4 : 163)

(۶) حضرت موسےٰؑ کی طرف وحی۔ (20 : 77)، (26 : 63)، (7 : 117)، (7:160)، (26 : 63)، (20:13)، (10:87)، (26 : 52)

(۷) حضرت نوحؑ کی طرف وحی کہ خدا کی زیرِ نگرانی کشتی بنائیں۔ (23 : 27)، (11 : 37)

(۸) حضرت یوسفؑ کی طرف وحی۔ (12 : 15)

(۹) انبیاءؑ کی طرف وحی۔ (21 : 73)

(۱۰) تمام رسولوں کی طرف یہی وحی کیا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ (21 : 25)

نزولِ وحی کا طریقہ

(۱) جبریلؑ قلبِ نبویؐ پر وحی نازل کرتا تھا۔ (2 : 97) روح القدس۔ (16 : 102)
ملائکہ۔ (16 : 2)۔ روح الامین علیٰ قلبک۔ (26 : 194)
شیاطین نازل نہیں ہوتے تھے۔ (26 : 210)

(۲) وحی خدا سے خود ملتی تھی۔ (27 : 6)

(۳) اُسے خدا سکھاتا تھا۔ (53 : 5)، (87 : 6)، (55 : 1-2)

(۴) یہ وحی رسولؐ کی زبان سے لوگوں تک پہنچتی تھی۔ اس اعتبار سے اِسے قولِ رسولؐ کہا گیا۔ (81 : 19)

(۵) لیلۃ القدر میں نزولِ وحی۔ (97 : 1-2)

(۶) نتلوہ علیک۔ (3 : 57)، (2:252)، (45 : 6)، (3 : 107)

اعتراضات

(۱) لوگ کہتے ہیں کہ خدا ہم سے براہِ راست ہمکلام کیوں نہیں ہوتا۔ (2 : 118)

(۲) اسی شخص پر وحی کیوں نازل ہوتی ہے۔ (38 : 8)

عام انسانوں کے لئے وحی کا لفظ (لغوی معنوں میں)

(۱) حضرت زکریاؑ نے لوگوں سے کہا (اشارہ سے کہا) کہ تم اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں مشغول رہو۔ (19 : 11)

(۲) خدا نے حواریوں کی طرف وحی کی (یعنی حضرت عیسےٰؑ کی وساطت سے یہ حکم بھیجا) کہ۔ (5:111)

(۳) اُم موسےٰؑ کی طرف وحی (یعنی خدا کا حکم جو کسی کی وساطت سے اُس کی طرف پہنچایا گیا) (28 : 7) ؛ (20 : 38)

(۴) شیاطین الجن والانس ایک دوسرے کی طرف وحی کرتے ہیں۔ (اشارے کرتے ہیں۔ باتیں پہنچاتے ہیں۔) (6 : 113)

(۵) شیاطین اپنے اولیاء کی طرف وحی کرتے ہیں (اُکساتے ہیں) کہ وہ تجھ سے جھگڑیں۔ (6:122)

(۶) رسول دوسروں تک خدا کا حکم پہنچاتا ہے۔ اسے بھی یوحیٰ کہا گیا ہے۔ (42 : 52)

خارجی کائنات میں وحی (یعنی جبلت یا قوانین فطرت)

(۱) زمین کی طرف وحی۔ (99 : 5)

(۲) شہد کی مکھی کی طرف وحی۔ (16 : 68)

(۳) تمام سماء (اجرام فلکی) کی طرف وحی۔ (41 : 12)

ملائکہ کی طرف وحی

(۱) خدا نے ملائکہ کی طرف وحی کی کہ وہ مومنوں کی مدد کریں۔ (8 : 12)

متفرق

(۱) خدا کے بندوں کے ساتھ کلام کرنے کے تین طریقے۔ دو طریقے انبیاء کے ساتھ کلام کرنے کے۔ یعنی بذریعہ وحی یا بذریعہ کلام (جیسے حضرت موسےٰؑ کے ساتھ)۔ اور تیسرا طریقہ غیر انبیاء کے ساتھ ہمکلامی کا۔ یہ طریقہ یہ ہے کہ خدا کی جو وحی رسولؐ کی طرف آئی ہو۔ رسول وہ وحی دوسروں تک پہنچا دے۔ اس طرح خدا عام لوگوں سے بھی باتیں کرنے لگتا ہے۔ (42 : 51 - 52)
کوئی انسان خدا سے بات نہیں کر سکتا۔ انبیاء سے بھی خدا بات کرتا تھا یعنی ابتدا خدا کی طرف سے ہوتی تھی۔ اس لئے یہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے کہ جب جی چاہے خدا سے باتیں کرنے لگ جائے۔

(۲) وحی، ذکر انسانی کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ (53 : 3 - 4)

(۳) ان سے کہو کہ میں اگر صحیح راستے پر ہوں تو وحی کی وجہ سے ہوں اور اگر مجھ سے کبھی غلطی ہوتی ہے تو وہ میرے اپنے فیصلے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (34 : 50)
(۴) وحی کے لئے خدا خود کسی کو منتخب کرتا تھا۔ (20 : 13)، (40 : 15)، (2 : 90)، (2 : 105)، (16 : 2)، (22 : 75)، (14 : 11)، (3 : 73)
(۵) نبی، وحی سے پہلے جانتا تک نہیں تھا کہ کتاب کسے کہتے ہیں اور ایمان کیا ہوتا ہے۔ (42 : 52)
(۶) وحی کو العلم کہا گیا ہے۔ (2 : 120)
(۷) جن کی طرف وحی بھیجی گئی تھی وہ سب رجال تھے۔ (12 : 109)، (16 : 43)، (21 : 7) اور عام لوگوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ (21 : 7-8)
(۸) اس سے ظالم کون ہوگا کہ اس پر وحی نازل نہ ہوتی ہو اور وہ کہے کہ مجھے وحی ملتی ہے یا یہ کہے کہ میں بھی اس قرآن کی مانند پیش کر سکتا ہوں۔ (6 : 93)

کلام ۔ کلمہ

وحی کے لئے چونکہ کلام کا لفظ بھی آیا ہے، اس لئے اس ضمن میں متعلقہ آیات بھی ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔
(۱) خدا انسان سے کلام کرتا ہے۔ (انسان خدا سے کلام نہیں کر سکتا۔ یعنی کلام کی ابتدا خدا کی طرف سے ہوتی تھی۔) (42 : 51)
(۲) خدا کے کلام کرنے کے تین طریقے۔ (42 : 51)
(۳) خدا نے حضرت موسےٰؑ سے کلام کیا۔ (نظروں سے اوجھل رہ کر)۔ (7 : 143)، (4 : 164)
(۴) رسولوں میں سے وہ بھی ہیں جن سے خدا نے کلام کیا۔ (2 : 253)
(۵) قیامت میں روح اور ملائکہ میں سے وہی کلام کر سکے گا جسے خدا اجازت دے۔ (78 : 38)، (11 : 105)
(۶) کفار کہتے ہیں کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا۔ (2 : 118)
(۷) کتمانِ حقیقت کرنے والوں سے خدا قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا۔ (2 : 174)، (3 : 76)
(۸) کلام اللہ۔ (2 : 75)، (9 : 6)، (48 : 15)
تحریف کلمات۔ (4 : 46)، (5 : 13)؛ (5 : 41)
(۹) حضرت موسےٰؑ کو رسالت و کلام کے لئے منتخب کر لیا گیا۔ (7 : 144)
(۱۰) کلمات اللہ۔ لاانتہا ہیں۔ (18 : 109)، (31 : 27)
آدمؑ نے رب سے کلمات سیکھے۔ (2 : 37)

(حضرت) ابراہیمؑ کا چند کلمات سے ابتلا کیا - (2 : 124)
(حضرت) مریمؑ نے اپنے ربّ کے کلمات کی تصدیق کی - (66 : 12)
(۱۱) لا مبدل لکلمات اللہ - (6 : 34)، (6 : 116)، (10 : 64)، (18 : 27)
(۱۲) یحق الحق بکلمات اللہ - (8 : 7)، (10 : 82)، (42 : 24)
(۱۳) خدا اور اس کے کلمات پر ایمان - (7 : 158)
(۱۴) تمت کلمت ربک - (6 : 116)، (11 : 119)، (7 : 137)
(۱۵) حقت علیھم کلمۃ اللہ - (10 : 96)، (39 : 19)، (39 : 71)،
(40 : 6)، (10 : 33)، 10 : 20)، (11 : 110)، (20 : 129)،
(42 : 14)، (37 : 171)، (41، 45)، (42 : 21)
(۱۶) خدا کا کلمہ بلند - کفر کا کلمہ معتوب - (40 : 9)
الکلم الطیب بلند ہوتا ہے - (10 : 35)
(۱۷) کلمۃ التقوٰی - (26 : 48) کلمہ طیبہ - کلمہ خبیثہ - (25 - 24 : 14)
کلمہ باقیہ - (28 : 43) - کلمۃ سواء بیننا و بینکم - (63 - 3)
(۱۸) حضرت یحییٰؑ - کلمت اللہ کے مصدق تھے - (38 : 3) حضرت مریمؑ کو بشارت کلمہ - (44 : 3)
حضرت عیسےٰؑ کلمہ (171 : 4)

معراجِ انسانیت

سیرت صاحب قرآن (علیہ التحیۃ والسلام) خود قرآن کے آئینے میں مفکرِ قرآن کا بلند پایہ شاہکار عقل و عشق، فکر و نظر، دل اور دماغ کا حسین امتزاج۔

اِس سیرتِ طیّبہ کے مطالعہ سے **مقامِ محمدی** اور **انقلابِ محمدی** نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

حسنِ معنوی کے ساتھ صوری پاکیزگی بھی دیدہ زیب، بڑی تقطیع، اعلیٰ درجہ کا سفید کاغذ، ضخامت پانصد صفحات۔ کتابت طباعت نورانی۔ جلد مضبوط اور دلکش۔

قیمت: پچیس ۲۵ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

مکتبہ دین و دانش - چوک اُردو بازار - لاہور + **ادارہ طلوع اسلام** ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور

اختلافِ قرأت

(قرآن کے خلاف ایک گہری سازش)

طلوع اسلام میں گذشتہ چند ماہ سے "قرآن مجید میں تحریف" کے عنوان سے جو بحث جاری ہے اس نے قرآنی حلقہ میں بڑی دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ اس ضمن میں ہمیں بکثرت خطوط موصول ہو رہے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ہم تو اختلاف قرأت سے یہی سمجھتے تھے کہ (مثلاً) حجاز کے قاری، قرآن کریم کی تلاوت اپنے لحن اور لہجہ سے کرتے ہیں اور مصری قاری اپنے لحن سے۔ یعنی قرأت سے مراد، قرآن مجید کے پڑھنے کا انداز ہے، اور بس۔ لیکن اس بحث سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد کچھ اور ہے۔ یعنی یہ قرآنی آیات کے متن کا اختلاف ہے۔ ان احباب کا تقاضا ہے کہ اس موضوع پر ذرا وضاحت سے لکھا جائے تاکہ یہ بات سمجھ میں آجائے کہ قرآنی آیات میں اختلاف کا تصور کب پیدا ہوا۔ اور آج اس کی پوزیشن کیا ہے۔ طلوع اسلام میں اس موضوع پر تفصیل سے لکھا جا چکا ہے لیکن وہ ایک عرصہ کی بات ہے۔ (طلوع اسلام بابت نومبر ۱۹۵۲ء میں اس موضوع پر ایک مبسوط مقالہ شائع ہوا تھا جو اس کے بعد، ادارہ کی طرف سے شائع کردہ کتاب "مقام حدیث" میں بھی (نظر ثانی کے بعد) درج کر دیا گیا تھا)۔ ذیل میں انہی سے مقتبس تصریحات ملخصاً درج کی جاتی ہیں۔

دین کا مدار تمام تر یقین پر ہے۔ یہی وہ اصل و بنیاد ہے جس پر اس کی پوری کی پوری عمارت اٹھتی ہے۔ یقین اس امر کا کہ جس بات کو ہم دینی کہتے ہیں وہ بلاشک و شبہ خدا کی طرف سے ہے۔ اگر اس بنیاد میں ذرا سا بھی تزلزل پیدا ہو جائے تو دین کی ساری عمارت نیچے آگرتی ہے اس میں تھوڑے اور بہت کا سوال ہی نہیں۔ مثلاً ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر اپنی وحی نازل کی اور اصل بنیاد کے اعتبار سے انہیں بھی وہی "دین" عطا کیا جو قرآن میں ہے۔ آج یہود اور نصاریٰ دونوں اس کے مدعی ہیں کہ ان کے پاس تورات اور انجیل موجود ہے لیکن اس کے باوجود ہم ان کتابوں کو دین نہیں مانتے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے اور وہ یہ کہ ان کتابوں میں تغیر و تبدل ہو چکا ہے اور ہم آج یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ جو کچھ ان میں موجود ہے وہ وہی ہے جو ان انبیاء کی طرف نازل ہوا تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں کچھ باتیں تو ایسی ہوں گی جن میں رد و بدل

نہیں ہوا۔ ان باتوں کو تو دین ماننا چاہیئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان میں کچھ باتیں ایسی ضرور ہوں گی لیکن جیسا کہ اُوپر لکھا جا چکا ہے۔ دین کے جس معاملہ میں ذرا سا بھی شک اور شبہ پیدا ہو جائے وہ دین نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے تورات و انجیل دینی کتابیں تسلیم نہیں کی جا سکتیں۔ اس کے برعکس قرآن کریم کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ یہ لفظاً لفظاً حرفاً حرفاً "الحمد" سے "والناس" تک بعینہٖ وہی ہے جسے اللہ تعالٰے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا۔ اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو دیا۔ یعنی قرآن مجید جس شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح مرتب اور مدون شکل میں اُمت کو دیا تھا؛ اور اس کے بعد اس میں ایک شُعشہ تک کی بھی تبدیلی یا حک و اضافہ نہیں ہوا۔ (اس حقیقت کو ادارہ کی طرف سے شائع کردہ کتاب "مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں" کے آخری باب میں تفصیل سے لکھا اور ثابت کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا تازہ ایڈیشن زیر ترتیب ہے) اب سوچئے کہ اگر کسی کے دل میں اس چیز کے متعلق ذرا سا بھی شبہ پیدا ہو جائے تو اس کے نزدیک قرآن دین کا ضابطہ نہیں بن سکتا۔ اس کی حیثیت بھی وہی ہو جائے گی جو انجیل اور تورات کی ہے

عجمی سازشوں نے جہاں حقیقی اسلام کی جگہ ایک بالکل نیا اسلام وضع کر کے مسلمانوں میں عام کر دیا اس کے ساتھ ہی انہوں نے چپکے ہی چپکے ایسی کوششیں بھی کیں جن سے یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ قرآن بھی اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں رہا۔ یہ اس سازش کا اتنا بڑا حربہ تھا جس نے فی الواقعہ دین کی عمارت کو متزلزل کر دیا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے قرآن کی جمع و تدوین کے متعلق عجیب و غریب داستانیں وضع کیں اور انہیں احادیث کے مجموعوں میں بھر دیا۔ اس ضمن میں حافظ ابوبکر عبداللہ ابن ابی داؤد سلیمان ابن اشعث سجستانی کی شہرہ آفاق کتاب "کتاب المصاحف" ایک خاص اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس میں قرآن کریم سے متعلق ان تمام روایات کو یکجا جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ روایتیں اکثر صحاح ستہ اور دوسری مستند کتب روایات میں منتشر طور پر موجود ہیں۔

کتاب المصاحف

یہ کتاب ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد کی تصنیف ہے جن کا سنہ پیدائش ۲۳۰ھ اور سنہ وفات ۳۱۶ھ ہے۔ آپ حدیث کے مشہور امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (جن کی کتاب سنن ابو داؤد صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے) کے بیٹے ہیں۔ آپ کی کتاب المصاحف علمائے حدیث کے ہاں بہت مستند کتابوں میں شمار کی جاتی ہے چنانچہ اکثر متقدمین کتابوں میں اس کتاب کے حوالے ملتے ہیں امام ابن الجزری نے ان کو "ثقہ کبیر مامون" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

مصنف کے اس مختصر تعارف کے بعد ہم آپ کو کتاب المصاحف کے جستہ جستہ مقامات سے روشناس کراتے ہیں۔ سنتے جائیے اور سر دھنتے جائیے۔

قرآن کو حضورؐ نے جمع نہیں کیا بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ نے جمع کرایا

(۱) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت زید بن ثابتؓ سے نقل کرتے ہیں کہ جس سال اہل یمامہ کا قتل ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے آدمی بھیج کر بلایا۔ وہاں حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ ابوبکرؓ کہنے لگے کہ یہ (عمرؓ) میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ قرآن کے قاریوں کے ساتھ قتل کی گرم بازاری ہو گئی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ دوسرے مواقع پر

بھی یہی گرم بازاری ہو اور اس طرح قرآن ضائع ہو جائے۔ میری رائے ہے کہ قرآن کو جمع کرلو۔ میں نے عمرؓ سے کہا کہ جو کام رسول اللہ نے نہیں کیا وہ تم کیسے کرتے ہو۔ عمرؓ نے کہا بخدا یہ کام اچھا ہی ہے اور اس بارہ میں مجھ سے برابر کہتے رہے حتیٰ کہ جس چیز کے لئے خدا نے ان کا شرح صدر کر دیا تھا میرا بھی شرح صدر کر دیا اور میری رائے بھی وہی ہو گئی جو ان کی تھی۔ ابوبکرؓ مجھ سے کہنے لگے تم نوجوان اور عقلمند آدمی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھتے رہے ہو۔ ہم تمہیں متہم نہیں سمجھتے لہٰذا تم قرآن کو لکھ لو۔ زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں کہ بخدا اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ لے جانے کو کہتے تو وہ مجھ پر اس کام سے زیادہ دشوار نہ ہوتا۔ میں نے ان دونوں سے کہا کہ جو کام رسول اللہ نے نہیں کیا وہ کام تم کیسے کرتے ہو۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ کہنے لگے کہ بخدا یہ کام اچھا ہی ہے۔ چنانچہ ابوبکرؓ اور عمرؓ برابر مجھ سے کہتے رہے حتیٰ کہ جس امر کے لئے ان دونوں کو شرح صدر ہو چکا تھا مجھے بھی شرح صدر ہو گیا اور وہی میری رائے بھی ہو گئی جو ان دونوں کی رائے تھی۔ چنانچہ لکھنے کے لئے میں نے کاغذ کے ٹکڑوں، کھجور کے پٹھوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں (حافظوں) سے تلاش کرنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ ایک آیت جو میں حضورؐ کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا مجھے نہیں ملی یعنی لقد جاءکم رسول من انفسکم (الآیہ) چنانچہ میں نے اس کو ڈھونڈا۔ بالآخر خزیمہ بن ثابت کے پاس ملی اور میں نے اس کو اس کی سورۃ میں لکھ دیا۔

صدیق اکبرؓ کے زمانے میں قرآن کیونکر جمع کیا گیا۔

(۲) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عروہ بن زبیر سے نقل کرتے ہیں کہ جب بہت سے قاری قتل ہو گئے تو ابوبکرؓ کو یہ خوف ہوا کہ اس طرح تو قرآن ہی ضائع ہو جائے گا۔ آخر انہوں نے عمرؓ اور زیدؓ ابن ثابتؓ سے کہا کہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو شخص کتاب اللہ کے متعلق کسی چیز پر دو گواہ پیش کرے اس کو قرآن میں لکھ لو۔

(۳) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عبد خیر سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ مصاحف کے بارہ میں سب سے بڑا ثواب ابوبکرؓ کو ملے گا۔ خدا ابوبکرؓ پر رحم فرمائے۔ وہی پہلے شخص ہیں جس نے قرآن کو لوحین کے درمیان جمع کر دیا۔

قرآن صدیق اکبرؓ نے خود جمع کیا اور حضرت زیدؓ نے نظر ثانی فرمائی۔

(۴) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ سالم اور خارجہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ نے قرآن کو کاغذات میں جمع تو کر لیا تھا مگر زید بن ثابتؓ سے درخواست کی تھی کہ ان کو ایک نظر دیکھ لیں۔ زید ابن ثابتؓ نے اس سے انکار کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے عمرؓ سے مدد چاہی کہ وہ زید بن ثابتؓ کو راضی کرا دیں۔ چنانچہ عمرؓ نے انہیں راضی کرا دیا اور نظر ثانی کر دی۔ یہ کتابیں ابوبکرؓ کی وفات تک ان کے پاس رہیں پھر عمرؓ کی وفات تک ان کے پاس رہیں پھر حضرت حفصہؓ اہلیہ رسول اللہ صلعم کے پاس رہیں۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں منگایا تو

حفصہؓ نے ان کو دینے سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ عثمانؓ سے عہد لیا کہ وہ انہیں واپس کر دیں گے اور اس شرط کے ساتھ بھیج دیں۔ چنانچہ عثمانؓ نے ان کو مصحفوں میں لکھ کر حفصہؓ کو وہ کتابیں واپس کر دیں۔ اور وہ ان ہی کے پاس رہیں حتیٰ کہ مروان نے اپنے زمانے میں انہیں لے کر جلا دیا۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایسے اہم واقعہ کے متعلق ایک بیان دوسرے سے کس طرح ٹکرا تا جا رہا ہے۔ لیکن بایں ہمہ یہاں تک یہ کہا گیا ہے کہ قرآن رسول اللہؐ نے مرتب کر کے نہیں دیا تھا بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں مرتب ہوا تھا۔ اب ایک قدم اور آگے بڑھیے۔

جمع قرآن کا کام صدیق اکبرؓ نے نہیں بلکہ حضرت عمرؓ نے شروع کیا اور عثمانؓ نے تکمیل کی۔

(۵) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ یحییٰ ابن عبدالرحمٰن بن حاطب سے نقل کرتے ہیں کہ عمر ابن الخطابؓ نے قرآن کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے لئے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ جس شخص نے رسول اللہؐ سے کچھ بھی قرآن حاصل کیا ہوا سے ہمارے پاس لے آئے۔ لوگوں نے قرآن کو کاغذات پر، لکڑی کی تختیوں پر اور کھجور کے پتوں پر لکھ رکھا تھا اور عمرؓ کسی شخص سے کوئی چیز اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک دو گواہ گواہی نہ دیں۔ اسی اثناء میں عمرؓ شہید ہو گئے تو عثمان ابن عفانؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے لوگوں سے کہا کہ جس کے پاس کتاب اللہ کا کچھ حصہ ہو وہ ہمارے پاس لے آئے۔ اور یہ بھی اس وقت تک کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے جب تک دو گواہ گواہی نہ دے دیں چنانچہ خزیمہ ابن ثابت آئے اور کہنے لگے کہ میں دیکھ رہا ہوں تم نے دو آیتیں لکھنے سے چھوڑ دی ہیں۔ پوچھا گیا وہ کون سی دو آیتیں ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دو آیتیں حاصل کی تھیں "لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم"۔ آخر سورت تک۔ اس پر عثمانؓ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ دونوں آیتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ پھر عثمانؓ نے خزیمہؓ سے پوچھا "بتاؤ ان آیتوں کو کہاں رکھیں"۔ خزیمہؓ نے جواب دیا کہ قرآن کی جو سورت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہو۔ اسے ان آیتوں ہی سے ختم کر دو۔ چنانچہ سورۂ براءۃ کو ان ہی آیتوں سے ختم کر دیا گیا۔

لیجئے! اب بات یہاں تک پہنچا دی گئی کہ قرآن کو نہ تو رسول اللہؐ نے مرتب فرمایا نہ ہی یہ عہد صدیقی میں مرتب ہوا۔ اس کی ابتداء حضرت عمرؓ نے کی اور وہ بھی اسے ادھورا چھوڑ کر شہید ہو گئے۔ اب آگے بڑھیے!

عہد عثمانی میں قرآن میں اختلافات

(۶) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ یزید بن معاویہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں ولید بن عقبہ کے زمانہ میں مسجد میں اس حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا جس میں حضرت حذیفہؓ (مشہور صحابی) بھی تشریف فرما تھے۔ مسجد میں اس وقت روکنے والے اور پولیس کے سپاہی وغیرہ موجود نہ تھے کہ یکایک کسی پکارنے

والے نے پکار کر اعلان کیا جو شخص ابوموسیٰ (اشعریؓ) کی قرأت پر قرآن پڑھتا ہو وہ اس گوشہ کی طرف آجائے جو اباب کندہ کے پاس ہے اور جو شخص عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت پر قرآن پڑھتا ہو وہ اس گوشہ کی طرف آجائے جو عبداللہ کے گھر کی طرف ہے اور وہاں دو آدمیوں میں سورۂ بقرہ کی ایک آیت کے بارہ میں اختلاف ہوا تھا۔ ایک پڑھتا تھا "واتموا الحج والعمرۃ للبیت" اور دوسرا پڑھتا تھا کہ "واتموا الحج والعمرۃ للہ"۔ حضرت حذیفہؓ کو غصہ آگیا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ انہوں نے فوراً اپنے کرتہ کو سمیٹ کر بغل میں کیا اور مسجد ہی میں کھڑے ہوگئے۔ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ کا ہے اور فرمانے لگے یا تو امیرالمومنین میرے پاس آئیں یا میں امیرالمومنین کے پاس جاؤں۔ (تو میں اس کے متعلق ان سے کہوں) کیونکہ تم سے پہلی امتوں نے بھی یہی کچھ کیا تھا۔ پھر آگے بڑھ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا انہوں نے مومنین کو ساتھ لے کر منکرین سے قتال کیا حتیٰ کہ خدا نے اپنے دین کو غالب کر دیا۔ پھر خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا لیا تو لوگوں نے بے لگام گھوڑے کی طرح ہر طرف دوڑ لگانی شروع کر دی۔ پھر خدا نے عمرؓ کو خلیفہ بنایا تو وہ اسلام کے عین وسط میں اترے (اور اس کو اعتدال پر قائم کرنا چاہا) پھر خدا نے ان کو بھی اٹھا لیا تو لوگوں نے پھر منہ زور گھوڑے کی طرح ہر طرف جادہ پیمائی شروع کر دی۔ اس کے بعد خدا نے عثمانؓ کو خلیفہ بنایا اور اللہ کی قسم وہ وقت قریب ہے کہ لوگ اسلام میں وہ جادہ پیمائی کریں جو اپنی تمام پچھلی جادہ پیمائیوں کو پیچھے چھوڑ جائیے۔

زید بن ثابتؓ کے انتخاب پر عبداللہ بن مسعودؓ کی ناگواری

(۷) امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ ابراہیم نخعی سے نقل کرتے ہیں کہ جب (عثمانؓ نے اپنے مرتب کردہ قرآن کے علاوہ) باقی تمام مصاحف کو پھاڑ ڈالنے کا حکم دیا تو عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا "لوگو! اپنے قرآنوں کو چھپا لو۔ کیونکہ جو شخص کچھ چھپا کر رکھے گا قیامت کے روز اسے اپنے ساتھ لے کر آئے گا اور بہترین چھپانے کی چیز قرآن ہی ہے جسے تم میں سے کوئی قیامت کے روز اپنے ساتھ لے کر آئے۔

(۸) نیز امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عبید اللہ بن عتبہ سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے زید ابن ثابتؓ کے لئے قرآن لکھنے کو ناپسند کیا اور کہنے لگے۔ "اے مسلمانوں کی جماعت! مجھے تو قرآن لکھنے کے کام سے الگ تھلگ رکھا جاتا ہے اور اس کی ذمہ داری ایک ایسے شخص نے لی ہے کہ بخدا میں اسلام لایا تو وہ بھی اپنے کافر باپ کی صلب میں موجود تھا (یعنی پیدا بھی نہیں ہوا تھا)

غور فرمایا آپ نے کہ جمع قرآن کی مذمومہ کوششوں کے سلسلہ میں صحابہؓ کا ردعمل کیا بتایا جا رہا ہے اور ان کے باہمی تعلقات کو کس رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے۔

(۹) نیز امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ زر بن حبیش سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ "میں نے حضورؐ کے دہن مبارک سے ستر (۷۰) سے اوپر سورتیں پڑھی ہیں اور زید بن ثابتؓ ابھی بچہ تھے جن کے سر پر دو زلفیں لہراتی رہا کرتی تھیں۔ نیز شقیق سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا "من

یغلل یأت بما غل یوم القیمۃ" عثمانؓ مجھے کس کی قرأت پر قرآن پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سے اُوپر سورتیں پڑھی ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جانتے ہیں کہ میں ان میں کتاب اللہ کا سب سے بڑا جاننے والا ہوں اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کو جانتا ہے تو میں سفر کرکے بھی اس کے پاس جاتا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جمع قرآن

(۱۰) نیز امام ابن ابی داؤد ابن شہاب زہری کی اسی روایت کو نقل کرنے کے بعد جو ۹ میں گزر چکی ہے ابن شہاب زہری ہی کی روایت سے انس ابن مالکؓ انصاری سے یہ اضافہ نقل کرتے ہیں کہ اذربائیجان اور آرمینیہ کے غزوہ میں اہل شام اور اہل عراق جمع ہوئے اور آپس میں انہوں نے ایک دوسرے کو قرآن سنایا تو اس میں بڑا اختلاف ہوا اور قریب ہوگیا کہ ان میں کوئی فتنہ برپا ہو جائے۔ جب حذیفہ ابن الیمان نے قرآن کے بارہ میں ان کے یہ اختلافات دیکھے تو وہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور کہا لوگ قرآن کے بارہ میں بڑا اختلاف کر رہے ہیں حتیٰ کہ بخدا مجھے یہ اندیشہ ہو رہا ہے کہ وہ بھی اسی اختلاف میں مبتلا نہ ہو جائیں جس میں یہود اور نصاریٰ مبتلا ہو چکے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت عثمانؓ بہت گھبرائے اور انہوں نے حضرت حفصہؓ کے پاس آدمی بھیج کر وہ صحیفہ نکلوایا جو ابوبکرؓ کے حکم سے زید بن ثابتؓ نے جمع کیا تھا اور اس سے کئی مصحف لکھوائے اور ان کو ملک کے گوشوں میں بھیج دیا۔ جب مروان مدینہ کا امیر ہوا تو اس نے حضرت حفصہؓ کے پاس آدمی بھیج کر

مروان نے حضرت حفصہؓ کے صحیفے جلا دیئے

وہ صحیفے منگائے تاکہ انہیں جلا دے۔ اُسے یہ اندیشہ تھا کہ لکھنے والے ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرنے لگیں مگر حضرت حفصہؓ نے انکار کر دیا۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے سالم بن عبداللہ نے بیان کیا کہ جب حضرت حفصہؓ کا انتقال ہوا تو مروان نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے پاس سختی کے ساتھ کہلا کر بھیجا کہ ان صحیفوں کو اس کے پاس بھیج دیں چنانچہ جوں ہی لوگ حضرت حفصہؓ کے جنازہ سے فارغ ہو کر لوٹے عبداللہ ابن عمرؓ نے وہ صحیفے مروان کے پاس بھیج دیئے۔ مروان نے ان کو الگ الگ کرکے جلا دیا اس اندیشہ سے کہ ان صحیفوں میں کوئی چیز اس کے خلاف نہ ہو جو حضرت عثمانؓ نے لکھا تھا۔

عہد عثمانؓ میں قرآن کیسے جمع کیا گیا

(۱۱) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ ایوب سے اور وہ ابوقلابہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ایک معلم کسی شخص کی قرأت کے مطابق تعلیم دیتا تھا اور دوسرا معلم دوسرے شخص کی قراءت کے مطابق۔ بچے قرآن پڑھتے اور آپس میں اختلافات کرتے حتیٰ کہ یہ اختلافات معلمین تک بلند ہوگئے اور لوگوں نے ایک دوسرے کی قراءت پر تکفیر شروع کر دی۔ حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خطبہ دیا اور کہا "تم لوگ میرے پاس ہوتے ہوئے بھی قرآن میں اختلاف کرتے ہو اور دوسروں کی تغلیط کرتے ہو جو لوگ دوسرے شہروں میں مجھ سے دُور ہیں ان کی غلطیاں اور اختلافات تو اور بھی سخت ہیں۔ اے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اتفاق سے کام لو اور تم لوگوں کے لئے ایک (متفقہ) امام (کتاب اللہ) لکھ دو۔

ابوقلابہ کہتے ہیں کہ مجھ سے مالک بن انسؓ نے بیان کیا (یہ امام مالک بن انسؒ کے دادا ہیں) کہ میں ان لوگوں میں شریک تھا جنہوں نے ان کو قرآن لکھوایا۔ اکثر کسی آیت کے بارہ میں اختلاف ہوتا تھا اور کوئی ایسا آدمی یاد آجاتا تھا جس نے اس آیت کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا اور بعض مرتبہ وہ شخص موجود نہیں ہوتا تھا یا کسی دیہات میں ہوتا تھا تو اس سے آگے اور پیچھے کی آیتیں لکھ لیتے تھے اور اس آیت کی جگہ چھوڑ دیتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ شخص خود آجاتا یا اس کو بلوا لیا جاتا تھا (اور اس سے پوچھ کر وہ آیت لکھ لی جاتی تھی) جب مصحف لکھنے سے فراغت ہوگئی تو حضرت عثمانؓ نے تمام شہروں میں لکھ دیا کہ میں نے ایسا ایسا کام کیا ہے اور جو کچھ میرے پاس تھا میں نے اس کو مٹا دیا ہے لہٰذا جو کچھ (اس قرآن کے خلاف) تمہارے پاس ہو تم بھی اس کو مٹا دو۔

(۱۲) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ مصعب ابن سعد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے جدا ہوئے ابھی تیرہ سال ہی گزرے ہیں مگر تم قرآن میں شک کرنے لگے ہو۔ کہتے ہو کہ یہ ابی (ابن کعبؓ) کی قراءت ہے اور وہ عبداللہ (ابن مسعودؓ) کی قراءت ہے۔ خدا کی قسم تو اپنی قراءت ٹھیک نہیں پڑھتا۔ لہٰذا میں تم میں سے ہر شخص پر لازم کرتا ہوں کہ جس کے پاس بھی کتاب اللہ میں سے کوئی چیز ہو وہ بالضرور اسے میرے پاس لے آئے۔ چنانچہ کوئی کاغذ کا ورق لے کر آتا کوئی چمڑے کا ٹکڑا لے کر آتا جس میں قرآن لکھا ہوا ہوتا حتیٰ کہ اس طرح بہت کچھ جمع ہوگیا۔ پھر حضرت عثمانؓ اندر گئے اور ایک ایک آدمی کو بلا بلا کر قسم دے دیکر انہوں نے پوچھنا شروع کیا کہ کیا تم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں یہ کچھ لکھوایا تھا؟ وہ شخص اقرار کرتا۔ حضرت عثمانؓ اس سے فارغ ہوگئے تو لوگوں سے پوچھا تم میں سے بہترین کاتب کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب زید بن ثابتؓ۔ پھر انہوں نے پوچھا تم میں لغت عربی کا بہترین ماہر کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ سعید بن العاصؓ۔ تو حضرت عثمانؓ نے کہا ٹھیک ہے سعید لکھوائیں اور زید لکھتے جائیں۔ چنانچہ زید ابن ثابتؓ نے قرآن لکھا اور کئی قرآن لکھے۔ اور ان قرآنوں کو عثمانؓ نے لوگوں میں پھیلا دیا۔ ابوقلابہ کہتے ہیں کہ میں نے بعض اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ عثمانؓ نے بہت اچھا کام کیا۔

(۱۳) امام ابن ابی داؤد اپنی دوسری سند سے مصعب ابن سعد ہی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ابی (ابن کعبؓ) اور عبداللہ (ابن مسعودؓ) اور معاذ (ابن جبلؓ) کی قراءت کو سنا تو لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا: ابھی تمہارے نبیؐ کی وفات کو پندرہ سال ہوئے ہیں اور تم قرآن میں اختلاف کرنے لگے ہو۔ میں ہر شخص پر لازم کرتا ہوں کہ جس کے پاس بھی قرآن میں سے کچھ ہو جسے اس نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اسے میرے پاس لے آئے۔ چنانچہ لوگ لکڑی کی تختیاں، ہڈی کے ٹکڑے، کھجور کی چھالیں جن میں قرآن لکھا ہوا تھا لانے لگے۔ جو شخص لے کر آتا اس سے حضرت عثمانؓ پوچھ لیتے کہ کیا اس نے یہ کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ پھر انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں فصیح ترین شخص کون ہے؟ لوگوں نے سعید بن العاصؓ کا نام لیا۔ پھر پوچھا کہ بہترین ماہر کتابت کون ہے؟ لوگوں نے زید بن ثابتؓ کا نام لیا۔ آپ نے فرمایا اچھا زید لکھیں اور سعید

لکھوائیں چنانچہ کئی مصحف لکھے گئے۔ اور ان کو مختلف شہروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مصعب بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے عثمانؓ کے اس فعل پر عیب چینی کی ہو۔

(۱۴) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ محمد (ابن ابی رضؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ لوگ قرآن پڑھتے تھے اور نوبت یہاں تک آگئی تھی کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو کہتا تھا کہ جو کچھ تو پڑھتا ہے اس سے تو کافر ہو گیا۔ اس کی اطلاع عثمان بن عفانؓ کو کی گئی تو ان کے دل پر بڑی گرانی ہوئی اور انہوں نے قریش اور انصار کے بارہ آدمیوں کو جمع کیا جن میں ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ بھی تھے۔ اور ان سب کو اس صحن میں اکٹھا کر دیا جو حضرت عمرؓ کے مکان میں تھا۔ اسی مکان میں قرآن رہتا تھا۔ حضرت عثمانؓ بھی ان لوگوں کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ محمد (ابن ابیؓ) کہتے ہیں کہ مجھ سے کثیر ابن افلح نے بیان کیا جو ان لوگوں کے لئے قرآن لکھنے والوں میں سے ایک تھے کہ اکثر ان بارہ آدمیوں میں اختلاف ہو جاتا تھا تو اس اختلافی آیت کو وہ مؤخر کر دیا کرتے تھے محمد کہتے ہیں کہ میں نے کثیر سے پوچھا کہ تم لوگ اس کو مؤخر کیوں کر دیا کرتے تھے تو انہوں نے بتایا کہ یہ مجھے معلوم نہیں۔ محمد کہتے ہیں کہ میں نے اس بارہ میں ایک گمان بتایا ہے تم لوگ اسے یقین نہ بنا لینا۔ میرا گمان یہ ہے کہ جب ان میں کسی آیت کے متعلق اختلاف ہوتا تھا تو وہ اسے اسلئے مؤخر کر دیتے تھے کہ دیکھیں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو حضورؐ کے ساتھ آپ کے آخری دور میں شریک رہا ہو تو اس آیت کو اس کے قول کے مطابق لکھ لیں۔

قرآن کی ترتیب حضرت عثمانؓ نے قائم کی تھی

(۱۵) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عثمانؓ سے کہا کہ تم نے سورۂ انفال کو جو مثانی میں سے ہے سورہ براءت کے ساتھ کیوں رکھ دیا حالانکہ وہ مئین میں سے ہے اور پھر ان دونوں کو سبع طوال میں رکھ دیا ہے۔ ایسا تم نے کیوں کیا۔ عثمانؓ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف زمانوں میں مختلف عدد والی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ جب آپ پر کچھ وحی نازل ہوتی تو کسی کاتب کو آپ بلا کر فرما دیتے کہ اس آیت کو ایسی ایسی سورت میں رکھ دو جس میں ایسا ایسا تذکرہ آیا ہے۔ سورۂ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو ابتداءً مدینہ میں نازل ہوئیں اور سورۂ براءت بالکل آخر میں نازل ہوئی ہے مگر دونوں کا قصہ ایک سا ہے۔ مجھے خیال گذرا کہ سورۂ براءت سورۂ انفال ہی کا حصہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور ہمیں آپ نے یہ بتایا نہیں کہ آیا واقعی یہ اسی کا حصہ ہے بھی یا نہیں اسی وجہ سے میں نے دونوں کو یکے بعد دیگرے لکھ دیا ہے اور دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہیں لکھی اور دونوں کو سبع طوال میں رکھ دیا۔

یہاں تک یہ کہا گیا ہے کہ قرآن حضرت عثمانؓ کے عہد میں مرتب ہوا۔ لیکن یہ قرآن کس قسم کا تھا اس کی بابت بھی سن لیجئے۔

قرآن میں غلطیاں رہ گئیں

(۱۶) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عبد الاعلیٰ بن عبد اللہ بن عامر قرشی سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ مصحف سے فارغ ہو گئے اور انہوں نے اسے دیکھا تو فرمایا تم لوگوں نے بہت اچھا کیا اور خوب کیا مگر اس میں کچھ غلطیاں مجھے نظر آتی ہیں جنہیں

عرب لوگ اپنی زبانوں سے ٹھیک کرلیں گے۔

لیجئے! قرآن عہد عثمانی میں مرتب تو ہوا لیکن اس میں بھی غلطیاں رہ گئیں۔ ان غلطیوں کو حضرت عثمانؓ نے درست نہیں کیا بلکہ علیٰ حالہ رہنے دیا کہ عرب خود اپنی زبان سے درست کرلیں گے اور آگے بڑھیے۔

(۱۷) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عکرمہ طائی سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کے پاس مصحف لایا گیا تو اس میں انہیں کچھ غلطیاں نظر آئیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ اگر لکھنے والا ہذیل کا اور لکھنے والا ثقیف کا کوئی آدمی ہوتا تو اس میں یہ غلطیاں نہ پائی جاتیں۔

(۱۸) سعید ابن جبیر سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا قرآن میں چار حرف غلط ہیں۔ ۱ الصابئون (۵/۶۹) ۲ والمقیمین (۴/۱۶۲) ۳ فاصدق واکن من الصلحین (۶۳/۱۰) اور ۴ ان ھذان لساحران (۲۰/۶۲)

(۱۹) زبیر ابو خالد کہتے ہیں کہ میں نے ابان بن عثمان سے پوچھا کہ آیت والراسخون فی العلم منھم والمومنون یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک والمقیمین الصلوٰۃ والموتون الزکوٰۃ آلایہ کیسے ہوگیا۔ آگے اور پیچھے رفع لایا گیا ہے اور المقیمین پر نصب ہے۔ ابانؓ نے جواب دیا کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ پہلا حصہ لکھ چکا تھا۔ اس نے پوچھا آگے کیا لکھوں۔ لکھوانے والے نے کہا المقیمین الصلوٰۃ لکھو۔ اس سے جو کچھ کہا گیا لکھ دیا۔

(۲۰) عروہ کہتے ہیں کہ قرآن کی غلطیوں کے متعلق میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا۔ ان ھذان لساحران۔ اور۔ والمقیمین الصلوٰۃ والمؤتون الزکوٰۃ۔ اور۔ والذین ھادوا والصابئون کے متعلق سوال تھا حضرت عائشہؓ نے کہا۔ "بھتیجے! یہ کاتبوں کا کام ہے کہ انہوں نے لکھنے میں غلطی کر ڈالی۔

صرف غلطیاں ہی نہیں رہ گئی تھیں بلکہ بعض آیات بھی قرآن میں درج ہونے سے رہ گئی تھیں۔ (مثلاً) ہمارے ہاں مشہور ہے کہ شادی شدہ زانی کی سزا سنگسار ہے لیکن قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت نہیں۔ اس ضمن میں سنن ابن ماجہ میں (جو صحاح ستہ کی ایک مستند کتاب ہے) حضرت عائشہؓ کی طرف یہ روایت منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آیۂ رجم (سنگسار) اور رضاعت کبیر والی آیت ایک صحیفہ میں تھی جو میرے تخت کے نیچے رکھا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو ہم لوگ اس حادثہ میں مشغول ہو گئے۔ اتنے میں گھر کی پالتو بکری آ گئی اور اس صحیفہ کو کھا گئی۔ (اور وہ آیتیں ضائع ہو گئیں)۔ چنانچہ اس کے بعد فیصلہ یہ کیا گیا کہ یہ آیت قرآن میں تو داخل نہ کی جائے لیکن عمل اس کے مطابق ہو۔

اس کے بعد کتاب المصاحف میں ہے کہ جو نسخہ حضرت عثمانؓ نے مرتب فرمایا تھا اس میں اور مدینہ منورہ کے دیگر مصاحف میں کئی ایک آیات میں اختلاف تھا۔ اس کتاب میں اس قسم کے تمام اختلافی مقامات درج ہیں۔ نیز یہ کہ قرآن مجید کے جو نسخے مختلف شہروں کے لئے مرتب کئے گئے تھے ان میں بھی باہمدگر اختلاف تھا۔ (ان اختلافات کو بھی اس کتاب میں تفصیل سے دیا گیا ہے۔)

اختلافِ قرأت

ازاں بعد" امام ابن داؤد نے اپنی کتاب (نیز اس کے انگریزی ترجمہ میں)

جسے مشہور مستشرق آرتھر جیفری نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے) ان قرآنی نسخوں کی تفصیل دی ہے جو عہد حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد مختلف صحابہؓ اور تابعینؒ کے پاس تھے اور جن میں بے شمار آیات ایسی تھیں جو مصحفِ عثمانؓ میں درج شدہ آیات سے مختلف تھیں۔ ان کے شمار کے مطابق، ان اختلافی آیات کی تعداد ذیل میں قوسین ( ) میں دی جاتی ہے۔

(۱) حضرت ابن مسعودؓ (۱۳۲۲)۔ (۲) حضرت ابی بن کعبؓ (۹۵۲)۔ (۳) حضرت علیؓ (۸۹)۔ (۴) حضرت ابن عباسؓ (۱۸۶)۔ (۵) حضرت ابوموسےٰؓ (۴)۔ (۶) حضرت حفصہؓ (۱)۔ (۷) حضرت انس بن مالکؓ (۲۴)۔ (۸) حضرت عمرؓ (۲۸)۔ (۹) حضرت زید بن ثابت (۱۰)۔ (۱۰) حضرت ابن زبیرؓ (۳۴) (۱۱) حضرت عمرو ابن العاصؓ (تعداد معلوم نہیں)۔ (۱۲) حضرت عائشہؓ (۱۳)۔ حضرت سالمؓ (۲)۔ (۱۴) حضرت ام سلمہؓ (۱۴)۔ (۱۵) حضرت عبیدؓ ابن عمیرؓ (۱۸)۔

تابعینؒ کی طرف منسوب مصاحف، نیز ایسے مصاحف جو بے نام ہیں، ان کی تعداد الگ ہے۔ ان اختلافات کی یہ نوعیت نہیں کہ ان میں محض زیر، زبر کا فرق ہے۔ (اگرچہ عربی زبان میں زیر، زبر کے فرق سے بھی بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔) ان میں، الفاظ تک بدلے ہوئے ہیں۔ کہیں الفاظ کا اضافہ ہے۔ کہیں وہ محذوف ہیں، کہیں تبدیل شدہ ایسے الفاظ جن سے معانی کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں۔

آیات کے ان اختلافات کو "اختلافِ قرأت" کہتے ہیں۔ مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے کہ "قرأتِ ابن عباسؓ میں یوں آیا ہے"۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا جو نسخہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس تھا اس میں یہ آیت اس طرح درج تھی۔ ان اختلافی آیات کو کتاب المصاحف میں تفصیل سے دیا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ مثالیں پرویز صاحب کے اس مضمون میں درج ہیں جو طلوع اسلام مارچ ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا ہے۔ ان میں سے نمونتہً ایک مثال یہاں درج کی جاتی ہے۔

مرد اور عورت کے جنسی تعلقات کے سلسلہ میں، قرآن کریم (سورہ النساء) میں، ان رشتوں کی تفصیل دینے کے بعد جن سے نکاح حرام ہے، کہا گیا ہے۔

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ط ... (۴/۲۴)

اور جو اس کے سوا ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ اس طرح کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ساتھ چاہو نکاح میں لاکر نہ کہ شہوت رانی کرتے ہوئے۔ سو تم ان میں سے جس کے ساتھ نفع اُٹھانا چاہو تو انہیں ان کے مقرر کردہ مہر دے دو۔ (ترجمہ مولانا محمد علی لاہوری)

سُنّیوں کے ہاں اس معاہدہ کا نام نکاح ہے جو مہر ادا کرنے، دائمی طور پر کیا جاتا ہے اور جو موت یا طلاق سے فسخ ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس شیعہ حضرات متعہ کے قائل ہیں جس میں ایک مرد اور ایک عورت، ایک مدت معینہ کے لئے، مباشرت کا معاملہ طے کر لیتے ہیں اور اس کے لئے اس عورت کو جنسی تعلق کا معاوضہ دے دیا جاتا ہے۔ سُنّیوں کے ہاں متعہ حرام ہے۔

اس تمہید کے بعد آگے بڑھیئے ۔ حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ سُنّیوں کے جلیل القدر صحابی ہیں ۔ ان کی قراءت (مصحف) میں مندرجہ بالا آیت یوں آئی ہے ۔

فاستمتعتم به منهن الیٰ اجل مسمی ....

تم ان سے ایک مدت معینہ کے لئے فائدہ اُٹھاؤ ۔

یعنی اس قراءت کی رُو سے آیت قرآنی میں " الیٰ اجل مسمیٰ " کا اضافہ کیا گیا ہے جس سے متعہ کی سند مل جاتی ہے ۔ اب دیکھئے کہ اس اضافہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کیا فرماتے ہیں ۔ سُنّیوں کی سب سے پہلی ، اور سب سے زیادہ قابلِ اعتماد تفسیر ، تفسیرِ طبری ہے ۔ وہ اس آیت ($\frac{۴}{۲۴}$) کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔

ابو نضرہ کی روایت ہے کہ میں نے ابن عباس ؓ سے متعہ کے متعلق دریافت کیا ۔ انہوں نے کہا کہ کیا تم سورۃ النسا کی تلاوت نہیں کرتے ۔ میں نے کہا کیوں نہیں ۔ کہا ، پھر اس میں یہ آیت نہیں پڑھا کرتے کہ فما استمتعتم به منهن الیٰ اجل مسمیٰ ۔ میں نے کہا ۔ نہیں ۔ میں اگر اس طرح پڑھتا ہوتا تو آپ سے دریافت کیوں کرتا ۔ انہوں نے کہا کہ اچھا ۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اصلی آیت یونہی ہے ۔ عبد الاعلےٰ کی روایت میں بھی ابو نضرہ سے اس طرح کا واقعہ منقول ہے تیسری روایت میں بھی ابو نضرہ سے نقل ہے کہ میں نے ابن عباس ؓ کے سامنے یہ آیت پڑھی فما استمتعتم به منهن ۔ ابن عباس ؓ نے کہا ۔ الیٰ اجل مسمیٰ ۔ میں نے کہا میں تو اس طرح نہیں پڑھتا ۔ انہوں نے تین مرتبہ کہا " خدا کی قسم ! خدا نے اسی طرح نازل کیا ہے " ۔

اسے کہتے ہیں اختلافِ قراءت ۔ یعنی (روایات کی رو سے) حضرت ابن عباس ؓ (اور دیگر صحابہ ؓ) کا دعوےٰ تھا کہ وہ آیات اُسی طرح نازل ہوئی تھیں جس طرح ان کے صحیفوں میں درج ہیں ، نہ اس طرح جس طرح وہ مصحفِ عثمانی میں مذکور ہیں ۔ کہا جائے گا کہ اس ساری " سازش " کا مدار " کتاب المصاحف " ہے ۔ اسے کس طرح مستند تسلیم کیا جاتا ہے ؟ لیکن صاحب کتاب المصاحف نے اپنی کتاب میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا ۔ انہوں نے اختلافِ قراءت سے متعلقہ روایات کو کتبِ احادیث سے اکٹھا کر کے ، ایک جا مرتب کر دیا ہے ۔ اور یہ کتب احادیث وہ ہیں ، جنہیں ہمارے ہاں مستند تسلیم کیا جاتا ہے ۔

اور سب سے بڑی " سند " یہ کہ ہمارے علماء کرام اس " اختلاف قراءت " کے قائل ہیں ۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ان کی تفاسیر میں اکثر لکھا ہوتا ہے کہ (مثلاً) قراءت حضرت ابن عباس ؓ میں یوں آیا ہے ۔ ہم اس کی ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں ۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ سُنّی حضرات وضو میں پاؤں دھوتے ہیں اور شیعہ حضرات پاؤں پر مسح کرتے ہیں ۔ ایک صاحب نے سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے دریافت کیا کہ ان میں سے کون سا طریق قرآن کے مطابق ہے مودودی صاحب نے اس کے جواب میں (جو ترجمان القرآن بابت فروری ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا تھا) پہلے قرآن کریم کی متعلقہ آیت درج کی جو حسب ذیل ہے ۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ (۵/۶)

اس کے بعد تحریر فرمایا:

"اس میں لفظ وَاَرْجُلَكُمْ کی دو قرآتیں متواتر ہیں۔ نافع، ابن عامر، حفص، کسائی اور یعقوب کی قرأت وَاَرْجُلَكُمْ (بفتح لام) ہے اور ابن کثیر، حمزہ، ابوعمرو اور عاصم کی قرأت وَاَرْجُلِكُمْ (بکسرِ لام)۔ ان میں سے کسی قرأت کی حیثیت بھی یہ نہیں ہے کہ بعد میں کسی وقت بیٹھ کر نحویوں نے اپنے اپنے فہم اور منشاء کے مطابق الفاظِ قرآنی پر خود اعراب لگا دیئے ہوں۔ بلکہ یہ دونوں قرآتیں متواتر طریقے سے منقول ہوئی ہیں۔ اب اگر پہلی قرأت اختیار کی جائے تو وَاَرْجُلَكُمْ کا تعلق فَاغْسِلُوا کے حکم سے جڑتا ہے اور معنی یہ ہو جاتے ہیں "اور دھوؤ اپنے پاؤں ٹخنوں تک" اور اگر دوسری قرأت قبول کی جائے تو اس کا تعلق وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ سے قائم ہوتا ہے اور معنی یہ نکلتے ہیں۔ "اور مسح کرو اپنے پاؤں پر ٹخنوں تک"۔

یہ صریح اختلاف ہے جو ان دو معروف و مشہور اور متواتر قرأتوں کی وجہ سے آیت کے معنی میں واقع ہو جاتا ہے۔ اس تعارض کو رفع کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ دونوں قرأتوں کو کسی ایک ہی مفہوم (غسل یا مسح) پر محمول کیا جائے۔ لیکن اس کی جتنی کوششیں بھی کی گئیں وہ ہمیں کسی قطعی نتیجے پر نہیں پہنچاتیں کیونکہ جتنے وزنی دلائل کے ساتھ ان کو غسل پر محمول کیا جا سکتا ہے قریب قریب اتنے ہی وزنی دلائل مسح پر محمول کرنے کے حق میں بھی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ محض قواعدِ زبان کی بنا پر ان میں سے کسی ایک معنے کو ترجیح دی جائے۔ لیکن یہ صورت بھی مفید مطلب نہیں۔ کیونکہ دلائلِ ترجیح دونوں پہلوؤں میں قریب قریب برابر ہیں۔ اب آخر اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کے عمل کو دیکھا جائے"۔

اور اس کے بعد لکھا:

قرآن کے الفاظ سے جو بات واضح نہ ہوتی ہو اسے سمجھنے کے لئے اس ذریعہ سے زیادہ معتبر ذریعہ اور کونسا ہو سکتا ہے۔

قطع نظر اس کے کہ شیعہ حضرات اسی "معتبر ذریعہ" کی رُو سے پاؤں پر مسح کرتے ہیں اور سُنّی حضرات کا دعوٰے ہے کہ وہ بھی اسی "معتبر ذریعہ" کی رو سے پاؤں دھوتے ہیں۔ مودودی صاحب کا ارشاد ہے کہ قرآنی آیت کی دونوں قرآتیں متواتر ہیں اور ایسی مستند کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ (مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق) قرآن کریم کی یہ آیت ارجلکم میں لؔ کے زبر کے ساتھ بھی نازل ہوئی تھی۔ اور زیر کے ساتھ بھی۔ اور دونوں کا یہ اختلاف اس قدر اہم ہے کہ ایک قرأت کی رُو سے پاؤں دھونے کا حکم ملتا ہے اور دوسری قرأت کی رُو سے پاؤں پر مسح کرنے کا۔ اور اس طرح قرآن کے الفاظ سے بات واضح نہیں ہوتی"۔

آپ سوچئے کہ اس کے بعد، قرآن مجید کے متعلق کیا تصور قائم ہوتا ہے، اور ہم جو دنیا کے سامنے یہ دعوٰے پورے

حتم و یقین کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ اس کتاب میں ایک حرف اور نقطہ کا بھی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ اس دعوے کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے "قرآن کے الفاظ سے بات اسی لئے حل نہیں ہوتی" ناں کہ آپ زبر کے ساتھ لَ کو بھی منزل من اللہ مانتے ہیں اور زیر کے ساتھ کو بھی منزل من اللہ ـــــ اور اس کے بعد سوچئے کہ ایسی کتاب نازل کرنے والے (خدا) کے متعلق (معاذ اللہ) کیا تصور قائم ہوتا ہے، جو متضاد احکام نازل کر دیتا ہے؟ اور اگر خدا نے اس آیت کو ایک ہی شکل میں نازل کیا تھا ـــــ یعنی لَ کے زیر یا زبر کے ساتھ ـــــ تو اگلی صورت یہی سامنے آتی ہے کہ رسول اللہؐ نے (معاذ اللہ) کسی کو لَ کے زیر کے ساتھ بتا دیا اور کسی کو زبر کے ساتھ۔ اس صورت میں سوچئے کہ خدا کے رسول کے متعلق کیا تصور سامنے آتا ہے۔ اور اگر یہ صورت بھی نہیں تھی تو پھر فرمایئے کہ یہ دو قرآتیں کس طرح وجود میں آئیں؟

آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ اختلاف قرأت کے ماننے والے یہ قطعی نہیں بتاتے کہ ان مختلف قرآتوں کا سرچشمہ کیا ہے؟ کیا خدا نے ایسا کہا یا اس کے رسولؐ نے؟ بس اس باب میں شیعہ حضرات کا مسلک واضح ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ان آیات کو اسی طرح اتارا تھا جس طرح ان کے آئمہ پڑھتے تھے۔ مصحف عثمانی میں ان میں تحریف کر دی گئی۔ لیکن سُنّی حضرات نہ اسے ماننے کے لئے تیار ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ایسا کر دیا اور نہ ہی یہ بتاتے ہیں کہ پھر دوسری قرآتوں کی حیثیت کیا ہے! مصحف عثمانی بھی صحیح اور متضاد آیات بھی درست!

بسوخت عقل نہ حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

آگے چل کر مودودی صاحب فرماتے ہیں:

اب عقل کے لحاظ سے دیکھئے تو پاؤں دھونے ہی کا عمل زیادہ معقول اور قرآن کے منشاء سے قریب تر محسوس ہوتا ہے۔ (یعنی لَ کے زبر والی آیت کے مطابق)

لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اس کے بعد لَ کے زیر والی قرأت کا کیا بنے گا۔ جو اسی طرح متواتر اور مستند ہے۔ جس طرح لَ کے زبر والی قرآت؟

ہم نے اوپر کہا ہے کہ "اختلاف قرأت" کے عقیدہ کی رو سے یہ فطری نتیجہ سامنے آتا ہے کہ (معاذ اللہ) رسول اللہؐ کسی کو ایک طرح قرآنی آیت بتاتے۔ اور کسی کو دوسری طرح! اس کی تائید میں ہمیں بخاری شریف میں ایک روایت ملتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

مسور ابن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن عبد قاری حضرت عمرؓ سے سُن کر بیان کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم (ابن حزام) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سورہ فرقان پڑھتے ہوئے سُنا۔ میں نے ان کا پڑھنا سُنا تو وہ بہت سارے ایسے الفاظ پڑھ رہے تھے جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ نے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر حملہ کر بیٹھوں مگر میں نے بمشکل صبر کیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے انہی کی چادر میں انہیں کس لیا اور میں نے ان سے پوچھا کہ یہ سورت جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنی ہے، تمہیں کس نے پڑھائی؟ انہوں نے کہا کہ مجھے تو رسول اللہؐ نے پڑھائی ہے۔ میں نے کہا تو جھوٹ بولتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مجھے اس کے خلاف

پڑھائی ہے جو تو پڑھ رہا تھا اور میں اس کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے چلا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے اس کو سورۂ فرقان کو ایسے الفاظ میں پڑھتے ہوئے سُنا ہے جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انہیں چھوڑ دو۔ ہشام! پڑھو"۔ چنانچہ ہشام نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھ دیا جیسا کہ میں نے پڑھتے ہوئے سُنا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "یونہی تو نازل ہوئی ہے"۔ پھر فرمایا۔ عمرؓ! اب تم پڑھو۔ چنانچہ جس طرح حضورؐ نے مجھے پڑھائی تھی میں نے پڑھ کر سنائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یوں بھی نازل ہوئی ہے" اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ قرآن تو سات حرفوں پر نازل ہوا ہے لہٰذا جس طرح آسان ہو پڑھ لیا کرو"۔

سوچئے کہ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

یہ ہے وہ شکل جو "اختلافِ قرأت" کے عقیدہ سے ہمارے سامنے آتی ہے! سوچئے کہ اس کے بعد دین کا کچھ بھی باقی رہتا ہے۔ لیکن دین کا کچھ باقی رہے یا نہ رہے، ہمارے علماء حضرات ان روایات کو وضعی قرار دینے کے لئے تیار نہیں، جو ایسا کہے اُسے منکرِ حدیث قرار دے کر اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے۔

یاد رکھئے! اختلافِ قرأت کی تمام روایات وضعی ہیں۔ قرآنِ کریم، بغیر کسی اختلاف کے خدا کی طرف سے نازل ہوا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح مرتب و مدون کر کے خود اُمت کو دیا۔ اور وہی قرآن، بغیر ایک حرف کے تغیر و تبدل کے اُمت کے ہاں مروج چلا آرہا ہے۔ ایسی تمام روایات جو اس میں کسی قسم کے اختلاف کی نشاندہی کرتی ہیں وضعی ہیں اور خاص سازش کا نتیجہ۔

کراچی کے اہلِ فکر و نظر کیلئے مژدہ

قرآن فہمی - دین اسلام کے فروغ اور عرب ممالک کے مسلمانوں سے براہ راست تعلقات استوار کرنے کے لئے } بلا معاوضہ عربی سیکھئے

اس مقصد کے لئے خصوصی کلاسز یکم جولائی سے

طلوعِ اسلام ہال

[دار القائد ۲-۱-۶-III ناظم آباد]

میں شروع ہو جائیں گی۔ ان کلاسز کے اوقات اور دیگر تفاصیل کے لئے حسب ذیل پتہ پر رجوع فرمائیں۔

ادارہ طلوعِ اسلام لاہور کی تصنیفات بھی اسی پتہ سے حاصل کریں۔

محمد اسلام - نمائندہ بزم طلوعِ اسلام - دار القائد ۲-۱-۶-III ناظم آباد، کراچی ۱۸

شاہکارِ رسالتؐ کے سلسلہ میں

(مؤقر جریدہ چٹان کی ۱۰ ؍جون کی اشاعت میں محترم خالد سلام صاحب
کا ایک خط شائع ہوا ہے جسے قارئین طلوعِ اسلام کے افادہ کیلئے
درج ذیل کیا جاتا ہے۔) (طلوعِ اسلام)

محترم آغا شورش کاشمیری صاحب نے پرویز صاحب کی کتاب "شاہکارِ رسالتؐ" پر جو تبصرہ شائع فرمایا اُس کے تعاقب میں "چٹان" کی گزشتہ دو اشاعتوں میں کچھ خطوط شائع ہوئے ہیں۔ میں نے ان خطوط کا بغور مطالعہ کیا ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بجائے اِس کے کہ اس تنقید کو علمی حدود تک محدود رکھا جاتا اسے اُس پروپیگنڈے کی مزید کڑیاں بنا دیا گیا جو ایک خاص حلقہ کی طرف سے پرویز صاحب کے خلاف ایک مدت سے جاری ہے۔ چونکہ اس پروپیگنڈہ سے پرویز صاحب اور تحریک طلوعِ اسلام کے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہونے کا امکان ہے، اسی لئے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ چٹان کے قارئین پر صحیح پوزیشن واضح کر دی جائے۔ یہ عریضہ اسی مقصد کے لئے ارسالِ خدمت ہے۔

(۲) ان حضرات نے یہ کہا ہے کہ آغا صاحب نے اس کتاب (شاہکارِ رسالتؐ) کا صرف ایک باب پڑھ کر اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔ میں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ ان معترضین نے اس کتاب کی شکل تک نہیں دیکھی ہوگی۔ یہ کتاب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی سیرت تک محدود نہیں، اس میں اسلام کا پورا نظام سامنے لایا گیا ہے۔ اگر یہ حضرات اس کتاب کو پڑھ لیتے اور دیانت ان کا ساتھ نہ چھوڑتی تو انہیں اپنے تمام اعتراضات کا جواب اُس سے مل جاتا۔ لیکن اتنی زحمت کون گوارا کرتا ہے؟ مقصد تو اس سے دوسروں کو بدنام کرنا ہوتا ہے۔

(۳) پرویز صاحب کی یہ کتاب ان کی پہلی تصنیف نہیں۔ وہ قریب چالیس سال سے قرآنی تعلیمات پر مسلسل لکھتے چلے آ رہے ہیں۔ دوسری طرف جو اعتراضات ان حضرات نے کئے ہیں، وہ بھی کچھ نئے نہیں۔ پرویز صاحب ان کے جواب میں (بلا مبالغہ) ہزارہا صفحات لکھ چکے ہیں۔ لیکن ان کی کیفیت یہ ہے کہ اپنے اعتراض کی تائید میں نہ یہ پرویز صاحب کی تحریر کا کوئی اقتباس پیش کرتے ہیں، نہ اُن کے الفاظ میں اُن کا مسلک پیش کر کے اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ بس چند الفاظ اور چند اصطلاحات ہیں جنہیں یہ حضرات دہراتے چلے جاتے ہیں۔ مقصد اس سے عوام کے جذبات کو مشتعل کرنا ہوتا ظاہر ہے جب کسی کے متعلق یہ کہہ دیا جائے کہ وہ "منکرِ رسالت"

ہے تو وہ کون سا مسلمان ہے جس کے دل میں اُس کے خلاف ہیجان پیدا نہیں ہو جائے گا۔ ان حضرات کے اسی پروپیگنڈہ کے ازالہ کے لئے طلوعِ اسلام وقتاً فوقتاً اپنا "مسلک اور مقصد" شائع کرتا رہتا ہے۔ میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے اُس میں شائع کردہ "مسلک اور مقصد" کو من وعن درج ذیل کئے دیتا ہوں۔ یہ طلوع اسلام بابت جولائی ۱۹۶۶ء کے صفحات ۳۲-۳۱ پر موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

طلوعِ اسلام کا مقصد و مسلک

(۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، تمام نوعِ انسان کے لئے، قیامت تک بلندی، اخلاق و کردار کا بہترین نمونہ (اسوۂ حسنہ) ہے جس کے اتباع میں شرفِ انسانیت کا راز پنہاں ہے۔

(۲) احادیث کے مجموعوں میں صحیح حدیثیں بھی ہیں اور وضعی بھی۔ جو روایت قرآن کریم کے خلاف ہو یا اس سے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر کسی قسم کا حرف آتا ہو، وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

(۳) اُمت کے مختلف فرقے، اسلامی ارکان (نماز وغیرہ) کو جس طرح ادا کرتے چلے آ رہے ہیں، ان میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کرنے یا کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ البتہ اگر کسی وقت خلافت علیٰ منہاج نبوت کا دوبارہ قیام ہو جائے اور وہ اُمت میں پھر سے وہی وحدت پیدا کرنے کے لئے جو ابتدائے اسلام میں تھی اُن کے لئے کوئی ایک طریقہ متعین کر دے تو اس سے اُمت کا موجودہ اختلاف اور انتشار ختم ہو جائے گا۔

(۴) جو مملکت اس امر کا اقرار و اعلان کرے کہ اُس کا تمام کاروبار قرآن کریم کی متعین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے گا اور اس کا فریضہ قوانینِ خداوندی کا نفاذ ہو گا اور اس مملکت کے چلانے والے سیرتِ محمدیہ کے قالب میں ڈھلے ہوں وہ مملکت صحیح اسلامی مملکت کہلائے گی۔ اسے خلافت علیٰ منہاج نبوت یا اسلامی نظام کہا جاتا ہے اور اس کی سنٹرل اتھارٹی کو "مرکزِ ملت" کی اصطلاح سے پکارا جاتا ہے۔ اس کا طریق شورائی ہو گا۔

(۵) خلافت علیٰ منہاج نبوت یا اسلامی مملکت میں تمام مسلمانوں کے لئے ایک قانونِ شریعت ہوتا ہے۔ مختلف فرقوں کے لئے مختلف قوانین نہیں ہوتے۔ اس میں تمام مسلمان ایک اُمت کے افراد ہوتے ہیں۔ فرقوں میں بٹے ہوئے نہیں ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اُمت میں کوئی فرقہ نہیں تھا۔

(۶) اس وقت مختلف فرقوں کے اپنے اپنے قوانین شریعت ہیں۔ ان میں سے کوئی فرقہ کسی دوسرے فرقے کے قانون کو اسلامی قانون تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اندریں حالات تمام مسلمانوں کے لئے واحد اور مشترک اسلامی قانون مدون کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ :-

(I) قرآن کریم کو قانون کی غیر متبدل بنیاد قرار دیا جائے۔ (مختلف فرقوں کا قرآن الگ الگ نہیں۔ قرآن سب کا ایک ہی ہے لیکن فقہ اور روایات ہر ایک کی الگ الگ ہیں۔

(II) قرآن کریم کو بنیاد قرار دے کر مختلف فرقوں کی فقہ اور روایات کو سامنے رکھا جائے اور ان کی روشنی میں ارباب علم و بصیرت کی مشاورت سے ایسا قانون مرتب کیا جائے جو ہمارے زمانے کی ضروریات کو پورا کر سکے۔

اس کے سوا اُمت میں وحدت پیدا کرنے اور مسلمانوں کو ایک مرکز پر لانے کی کوئی صورت نہیں۔

(۷) طلوعِ اسلام کا مسلک ہنگامے برپا کرنا نہیں، بلکہ دلائل و شواہد اور علم و بصیرت کی رُو سے قرآن کریم کی تعلیم کو اس طرح پیش کرنا ہے جس سے قلب اور دماغ میں صحیح تبدیلی پیدا ہو جائے۔ کیونکہ اس قسم کی تبدیلی کے بغیر سیرت و کردار میں تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔

(۸) طلوعِ اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے نہ مذہبی فرقہ سے۔ نہ عملی سیاست میں حصہ لینا اس کے پروگرام میں ہے۔ پاکستان کا استحکام، ملت کی وحدت اور قرآن کریم کی بنیاد پر صحیح اسلامی نظام کا قیام، اس کا نصب العین ہے۔ اس نظام کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی فرد اپنی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اس میں وہ ہر نوعِ غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے طلوعِ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان کے سوچنے والے طبقے کے دل و دماغ میں ایسی تبدیلی پیدا کی جائے جس سے وہ یہاں آئینی طور پر صحیح اسلامی نظام متشکل کر سکے۔

(۹) اس مقصد کے لئے طلوعِ اسلام کسی سے کچھ نہیں مانگتا۔ البتہ جو حضرات بطیبِ خاطر اس مقصد سے متفق ہوں وہ انہیں دعوت دیتا ہے کہ وہ اس فکر کی نشر و اشاعت کے لئے اس سے تعاون کریں۔

آپ غور فرمائیے کہ اس میں کون سی بات قابلِ اعتراض ہے؟

---

(۴) کہا یہ جاتا ہے کہ پرویز صاحب سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں۔ مندرجہ بالا اقتباس کی ایک شق یہ بھی ہے کہ:

"اُمت کے مختلف فرقے، اسلامی ارکان (نماز وغیرہ) کو جس طرح ادا کرتے چلے آ رہے ہیں اُن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کرنے کا یا کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنے کا کسی کو حق نہیں۔"

ارکانِ اسلام کے یہ طریقے قرآن کریم میں تو دیئے نہیں گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُو سے متعین کردہ ہیں۔ اب جو شخص خود ان طریقوں کا متبع ہو، اور ان میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کو جائز نہ قرار دیتا ہو، کیا اسے منکرِ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا جا سکتا ہے؟

(۵) سنت کی بحث کی بنیادی وجہ اصل میں پاکستان کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ اس کا فطری تقاضا تھا کہ یہاں اسلامی قوانین رائج ہوں۔ اس کے لئے علماء حضرات کی طرف سے یہ مطالبہ ہوا کہ آئین میں یہ شق رکھی جائے کہ ملک میں کوئی ایسا قانون نافذ نہیں کیا جائے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔ اس پر پرویز صاحب نے کہا کہ اس شرط کے مطابق کوئی ایسا ضابطہ قوانین مرتب نہیں ہو سکے گا جو پاکستان میں بسنے والے تمام مسلمانوں کے نزدیک اسلامی قرار پا سکے۔ اس لئے کہ کتاب اللہ تو ہر فرقہ کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ لیکن "سنت" ہر فرقہ کی الگ الگ ہے حتیٰ کہ "سنت" کی تعریف (DEFINITION) پر بھی تمام فرقے متفق نہیں۔ (مثلاً) محترم ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے بعض ایسے شعائر کو سنت کہتے ہوئے جنہیں مسنون سمجھا جاتا ہے، لکھا کہ:-

"میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا

ایک سخت قسم کی بدعت ہے اور ایک خطرناک تحریفِ دین ہے جس سے نہایت بُرے نتائج پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے۔"

(رسائل و مسائل حصہ اوّل صفحہ ۳۰۸)

اس پر جماعت اہلِ حدیث کے صدر مولانا محمد اسماعیل (مرحوم) نے مودودی صاحب کا سخت مواخذہ کیا، اور فرمایا کہ:

"میری رائے میں مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے نظریات نہ صرف مسلک اہلحدیث کے خلاف ہیں بلکہ یہ نظریات تمام آئمہ اہلحدیث کے خلاف ہیں۔ ان میں آج کے جدید اعتزال و تجہم کے جراثیم مخفی ہیں۔" (جماعت اسلامی کا نظریہ حیات" صفحہ ۱۱۰)

سنّت کی تعریف میں یہ اختلاف (ان دو حضرات ہی کے مابین نہیں تھا۔ اس قسم کا اختلاف تمام فرقوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ ان اختلافات کے پیشِ نظر پرویز صاحب نے کہا تھا کہ یاد رکھیئے! اس معیار کے مطابق کوئی متفق علیہ ضابطہ قوانین مرتب نہیں ہو سکے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ارباب حکومت تنگ آکر یہاں سیکولر نظام رائج کر دینگے جیسے کمال کی ترکی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

یہ تھا وہ انکارِ سنّت جس کی رُو سے پرویز صاحب کے خلاف پروپیگنڈہ کی مہم شروع کر دی گئی۔ قریب بیس سال تک یہ مہم جاری رہی اور یہاں اسلامی قوانین کا کوئی ضابطہ مرتب نہ ہو سکا۔ بالآخر مودودی صاحب کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ:

"کتاب و سنت کی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں جو پبلک لا کے معاملے میں حنفیوں، شیعوں اور اہلحدیث کے درمیان متفق علیہ ہو۔" (ایشیا ۲۳ اگست ۱۹۷۰ء)

آپ غور فرمایئے کہ پرویز صاحب یہی بات کہیں تو کافر اور مرتد قرار پائیں اور مودودی صاحب وہی کچھ کہیں تو اسلام کے سب سے بڑے مفسّر اور محقق تسلیم کئے جائیں؟ اُمت کی موجودہ حالت میں ایک متفق علیہ ضابطہ قوانین مرتب کیسے ہو سکے گا اس کے لئے مندرجہ بالا اقتباس (مقصدِ مسلک کی شق ۶ ملاحظہ فرمائیں:

معترضین میں سے ایک صاحب نے فرمایا ہے:

"قرآن بقول ابوالکلام آزاد مرحوم صرف مدینہ میں چلتے پھرتے قرآن ہی سے کاملیت اور اکملیت کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے۔"

ان صاحب کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ مولانا موصوف نے یہ بھی فرمایا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح ترین اور قابلِ اعتماد سیرت وہ ہوگی جسے قرآن کریم کے آئینے میں مرتب کیا جائے۔ اس قسم کی سیرت نہ مولانا موصوف نے مرتب فرمائی اور نہ کسی اور صاحب نے۔ اِسے مرتب کیا تو اُس شخص نے جسے یہ حضرات منکرِ رسالت قرار دے رہے ہیں۔ پرویز صاحب کی، سیرت پر شہرہ آفاق تصنیف "معراجِ انسانیت" اس کی زندہ شہادت ہے۔ اُسے پڑھیئے اور پھر دیکھئے اس میں "مدینہ میں چلتے پھرتے قرآن" کس طرح وجہِ فروغ دیدہ ہوتا ہے؟ اور یہ بھی دیکھئے کہ اُس کتاب میں کتنی تعداد میں قرآنی آیات کے ساتھ احادیثِ نبویؐ بھی درج ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان حضرات میں سے کسی نے اُس کتاب کو بھی نہیں دیکھا ہوگا۔

یہ ہے مختصر الفاظ میں پرویز صاحب اور طلوع اسلام کا مسلک اور ان کے معتقدات دربارۂ رسالت اور نبوت ـــــ ان کی روشنی میں قارئین خود فیصلہ فرمالیں کہ اُس پروپیگنڈہ کی حقیقت کیا ہے جو ان کے خلاف کیا جاتا ہے۔

(۶) ایک صاحب نے فرمایا کہ پرویز صاحب کے نظریات سے نوجوانوں کا ذہن مسموم ہو رہا ہے۔ اے کاش! انہیں کہیں پرویز صاحب کے قریب آکر یہ دیکھنے کی توفیق نصیب ہو سکتی کہ وہ نوجوان جو ہمارے قدامت پرست طبقہ کی طرف سے پیش کردہ اسلام کے نتیجہ میں مذہب گزیدہ ہو جاتے ہیں، کسی طرح پرویز صاحب کے نظریات کی بدولت اسلام کے گرویدہ اور حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وابستہ دامن بن جاتے ہیں اور یہ ابھی اُس صورت میں ہے جب ملک کے نوجوانوں کو پرویز صاحب سے دُور رکھنے کی مہم چلائی جا رہی ہے۔ اگر ان کے خلاف اس قسم کا پروپیگنڈہ نہ کیا جاتا تو آپ دیکھتے کہ قوم کے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کا بیشتر حصہ آج کس طرح وجہ نازشِ ملت نظر آتا۔

(۷) ضمناً، محترم آغا صاحب نے فرمایا تھا کہ وہ پرویز صاحب کی کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد اس پر مفصل تبصرہ لکھیں گے۔ اگر آغا صاحب وہ تبصرہ شائع فرمادیں تو میرا خیال ہے کہ اُس سے اس قسم کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کا بہت سا غبار چھٹ جائے گا۔

(خالد سلام)

محترم پرویز صاحب کا درس قرآن کریم

لاہور میں
ہر اتوار - صبح ۸ بجے
بمقام
۲۵/بی - گلبرگ ۲ - لاہور
ٹیلیفون ۸۰۸۰۰

لائلپور میں
بروز جمعہ - (بذریعہ ٹیپ) ۵½ بجے، سہ پہر
بمقام : دفتر بزم طلوع اسلام
۶۵ کوتوالی روڈ (متصل حیات سرجری کلینک) لائلپور
رابطہ کے لئے - ٹیلیفون ۲۴۹۴

ملتان میں
بروز جمعہ (بذریعہ ٹیپ) بعد نماز مغرب
بمقام : دفتر شاہ سنز
بیرون پاک گیٹ - ملتان
ٹیلیفون ۲۰۷۱

سیالکوٹ میں
ہر اتوار - صبح ۸ بجے (بذریعہ ٹیپ)
مکان - چوہدری محمد دین
کرسچن ٹاؤن - سیالکوٹ

کراچی میں
ہر اتوار - صبح ۹½ بجے - (بذریعہ ٹیپ) بمقام : دفتر بزم طلوع اسلام - دارالقائد B/1-20
بس سٹاپ ۷ - ناظم آباد III - کراچی ۱۸

کوئٹہ میں
ہر اتوار - ۱½ بجے بعد دوپہر (بذریعہ ٹیپ)
بمقام : ۳ گوردت سنگھ روڈ
فون ۷۰۷۰ - کوئٹہ

راولپنڈی میں
ہر جمعہ : ۵ بجے سہ پہر (بذریعہ ٹیپ)
بمقام : جی ۱۶۶ - لیاقت روڈ - راولپنڈی

واہ میں
ہر جمعہ - بعد نماز جمعہ (بذریعہ ٹیپ)
بمقام - ۱۵ - جہلم روڈ
واہ (WAH)

ادارۂ طلوعِ اسلام کی مطبوعات کی قیمتیں

نوٹ :- ان قیمتوں میں پیکنگ اور ڈاک کا خرچ شامل نہیں۔

نام کتاب	قیمت
مفہوم القرآن (پارہ اوّل)	۳/۵۰ روپے
〃 〃 (پارہ ۲ تا پارہ ۲۷)	۲/۲۵ روپے فی پارہ
〃 〃 (پارہ ۲۸، ۲۹، ۳۰ یکجا)	۶/۵۰ 〃
〃 〃 (پارہ ۳۰)	۴/۵۰ 〃
مفہوم القرآن (جلد اول)	-/۳۰ روپے
〃 〃 (جلد دوم)	-/۳۰ 〃
〃 〃 (جلد سوم)	-/۳۵ 〃
مکمل سیٹ	-/۹۵ 〃
لغات القرآن (جلد اول)	-/۲۰ روپے
〃 〃 (جلد دوم)	-/۲۰ 〃
〃 〃 (جلد سوم)	-/۲۰ 〃
〃 〃 (جلد چہارم)	-/۲۰ 〃
مکمل سیٹ	-/۸۰ 〃
اسلام کیا ہے؟ (اعلیٰ)	-/۱۰ روپے
〃 〃 〃 ؟ (سستا ایڈیشن)	-/۶ 〃
انسان نے کیا سوچا؟	-/۱۵ 〃
من و یزداں	-/۲۵ 〃
جوئے نور	-/۱۵ 〃

نام کتاب	قیمت
ابلیس و آدم	-/۱۵ روپے
برق طور	-/۱۵ 〃
کتاب التقدیر	-/۱۵ 〃
شاہکارِ رسالت	-/۳۵ 〃
قائداعظمؒ کے تصور کا پاکستان	-/۱۲ 〃
معراجِ انسانیت	-/۲۵ 〃
بہارِ نو	
سلسبیل	-/۱۰ 〃
فردوسِ گم گشتہ	-/۱۰ 〃
مقامِ حدیث	
اسلامی معاشرت	-/۴ 〃
اسبابِ زوالِ اُمت	-/۲ 〃
جہاد	۲/۵۰ 〃
قرآنی قوانین و اقدار	-/۴ 〃
قرآنی فیصلے (جلد اوّل)	-/۵ 〃
〃 〃 (جلد دوم)	-/۵ 〃
〃 〃 (جلد سوم)	-/۵ 〃
مکمل سیٹ	-/۱۵ 〃

نام کتاب	قیمت
سلیم کے نام (جلد اوّل)	-/۱۰ روپے
〃 〃 〃 (جلد دوم)	-/۱۰ 〃
〃 〃 〃 (جلد سوم)	-/۱۰ 〃
مکمل سیٹ	-/۳۰ 〃
طاہرہ کے نام	-/۶ 〃
عربی خود سیکھئے (چوتھا ایڈیشن)	-/۷ 〃
پاکستان کا معمارِ اول	۳/۵۰ 〃
الفتنۃ الکبریٰ (طٰہٰ حسین)	-/۸ 〃
فجر الاسلام (جلد اول)	-/۵ 〃
〃 〃 (جلد دوم)	-/۵ 〃
اسلام پر کیا گزری؟ (از علامہ امین مصری)	-/۸ 〃
منزل بہ منزل	-/۸ 〃
جہانِ فردا	(مجلد) -/۳۰ روپے
ISLAM : A CHALLENGE TO RELIGION	-/۲۰ 〃
پیپر بیک	-/۲ 〃
قتلِ مرتد	

نام کتاب	قیمت
انسانیت کا آخری سہارا	-/۱ روپیہ
عالمگیر افسانے	-/۱ 〃
پرنسپلز آف لاء میکنگ اِن اسلام (انگریزی)	۲/۵۰ روپے
جمع القرآن (علامہ تمنا عمادی مرحوم)	۲/۵۰ 〃
تاریخ الامت (جلد اول)	-/۳ 〃
〃 〃 (جلد دوم)	-/۳ 〃
〃 〃 (جلد سوم)	-/۳ 〃
〃 〃 (جلد چہارم)	-/۳ 〃
〃 〃 (جلد پنجم)	-/۴ 〃
〃 〃 (جلد ششم)	-/۴ 〃
〃 〃 (جلد ہفتم)	-/۳ 〃
〃 〃 (جلد ہشتم)	-/۳ 〃
از: علامہ سالم جیراجپوری مرحوم مکمل سیٹ	-/۲۵ 〃
QURAN AND PHENOMENA OF NATURE	
از: ڈاکٹر سید عبدالودود	-/۳۰ 〃

ملنے کا پتہ

مکتبۂ دین و دانش، چوک اُردو بازار۔ لاہور

ادارہ طلوعِ اسلام۔ ۲۵/بی گلبرگ ۲ ۔ لاہور

شاہد عادل - میانوالی

بھارت کا ایٹمی دھماکہ عرب ممالک اور پاکستان

بھارت کا ایٹمی دھماکہ انسانیت کے لئے جن سنگینی نتائج کا حامل ہوگا اس کا اندازہ ان احتجاجات سے لگ سکتا ہے جو دنیا کے طول و عرض سے مختلف حکومتوں کی جانب سے سرکاری طور پر، اور وہاں کے عوام کی جانب سے غیر سرکاری طور پر لگاتار کئے جا رہے ہیں۔ لیکن بڑی حیرت کی بات ہے کہ اسلامی ممالک، خاص کر عرب ممالک جو براہ راست اس کی زد میں ہیں، نے اس واقعہ پر احتجاج تو کجا، (ہماری معلومات کے مطابق) ابھی تک اس بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اس دھماکے سے خطرہ تو ملت اسلامیہ کو ہے اور احتجاجی جلوس جاپان، اسٹریلیا، اور یوروپ میں نکل رہے ہیں۔ اور وہ ممالک اس دھماکے کی وجہ سے بھارت کی مالی امداد بند کر رہے ہیں جس کی تلافی بڑی فراخ دلانہ پیشکشوں کے ذریعے ہمارے عرب بھائی کر رہے ہیں۔ حالانکہ آج سے چند سال پیشتر جب چین نے ایٹمی دھماکہ کیا تھا تو بھارت کی ہمنوائی میں ہمارے بعض عرب بھائیوں نے اس کی مذمت میں ایک گھنٹے کی تاخیر بھی نہیں کی تھی۔ اس وقت تک (۶ جون ۷۴ء) عرب دنیا کے صرف غیر معروف اخبار اور ایک غیر معروف رسالے نے اس دھماکے پر معمولی سا طنز کیا ہے۔ یہ اخبار لیبیا کا الفجر الجدید ہے جس نے اپنی ۲۵ مئی ۷۴ء کی اشاعت میں ایک مضمون شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے۔ "بھوکے عوام کو ہندوستان کا تحفہ" دوسرا فرانسیسی زبان میں الجزائر سے شائع ہونے والا ایک غیر معروف رسالہ ریوولیشن افریکا ہے۔

دُور کیوں جایئے۔ خود ہمارے اہل وطن (پاکستانیوں) نے ہندوستان کے اس خطرناک اقدام کی اصل سنگینی کا ابھی تک صحیح اندازہ نہیں کیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری نئی نسل کو ہندو کی شیطانی فطرت کا سرے سے کوئی اندازہ ہی نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ اس مکار قوم کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد مسلمانوں کو ختم یا کم از کم ذلیل و خوار کرنا ہے۔ ملت اسلامیہ کے لئے اس عظیم خطرے پر عرب ممالک کے یوں خاموش رہ جانے پر یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ پاکستان میں حالیہ اسلامی سربراہ کانفرنس کے انعقاد کے باوجود عرب ممالک میں ہندوستان کے اثر و رسوخ میں کوئی کمی نہیں آئی۔

ہندوستان کے ایٹمی دھماکے کے بارے میں مختلف تفصیلات کو یکجا کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان نے اس بم کی تیاری کا مرحلہ کم از کم آج سے دو سال پہلے طے کر لیا تھا۔ اس کے بعد وہ اس کا

دھماکہ کرنے کے لئے مناسب موقع تلاش کرنے لگا اور اس دوران میں مختلف ممالک میں سفارتی طور پر اپنے لئے مناسب فضا بھی پیدا کرنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ دوسرے ممالک کے بارے میں تو راقم کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن سقوط ڈھاکہ کے بعد جس تیز رفتاری سے (یعنی دو سال سے بھی کم عرصہ میں) عرب ممالک میں ہندوستانی اہل علم کے چار صد وفود بھیجے گئے، تو اس سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ ہندوستان کوئی غیر معمولی قدم اٹھانے والا ہے۔ راقم ان وفود کی سرگرمیوں کے بارے میں وقتاً فوقتاً مختلف اخبارات اور رسائل کے ذریعے حکومت کی توجہ دلاتا رہا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے کو سرے سے کوئی اہمیت ہی نہ دی گئی۔ بعد میں میرے ان اندازوں کی تصدیق عرب ممالک میں روزنامہ نوائے وقت کے نمائندہ جناب سہیل اقبال نے، اس اخبار کی ۲۶ نومبر ۷۳ء کی اشاعت میں کر دی۔ اس میں شبہ نہیں کہ پاکستان میں اسلامی سربراہی کانفرنس کے انعقاد سے عرب ممالک میں ہندوستانی اثر کو محدود کرنے میں ضرور مدد ملی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس تاریخی کانفرنس کے اثرات کو پائیدار بنانے کی کوشش نہیں کی جا رہی ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ہندوستان کے ایٹمی دھماکے پر جہاں ساری دنیا چیخ اٹھی ہو، وہاں ہمارے عرب بھائی خاموشی اختیار کر لیتے۔

بھارت جس طرح عرب ممالک میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کی کوششیں کرتا ہے اس کی ایک جھلک طلوع اسلام کے مئی ۷۴ء کے شمارے میں قارئین کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہے۔ چونکہ وہ عرب ممالک میں بھلا حریف بن کر کام کرتا ہے اس لئے وہ ہماری معمولی سے معمولی کمزوری سے بھی بڑے بڑے فوائد حاصل کر لیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اسلامی سربراہی کانفرنس سے پاکستان کو کیا کیا متوقع فوائد حاصل ہونگے، اس لئے اس نے کانفرنس کے انعقاد کے اعلان کے ساتھ ہی اس متوقع کامیابی کو غیر مؤثر بنانے کی کوششوں کی ابتدا کر دی تھی۔

ہمارے عرب بھائی اس صدی میں ایک دفعہ پہلے بھی دوست نما دشمن کے پروپیگنڈے کا شکار ہو کر اپنی تاریخ کے سب سے بڑے المیے سے دوچار ہو چکے ہیں اور خدشہ ہے کہ اگر انہوں نے ہندوستان کے ایٹمی دھماکے کے سنگین نتائج سے اسی طرح آنکھیں بند کئے رکھیں تو وہ اور ان کے ساتھ ساری اسلامی دنیا فلسطین سے بھی زیادہ المناک خطرے کا شکار ہو جائے گی ـــــ جیسا کہ قارئین جانتے ہیں عربوں کا یہ المیہ مسئلہ فلسطین ہے۔ اس سلسلے میں یہودیوں کی صدیوں سے یہ کوشش تھی کہ وہ فلسطین میں اپنی حکومت قائم کریں، لیکن جب تک اسلامی خلافت کے دھندلے سے نقوش بھی باقی تھے انہیں اپنے اس مذموم مقصد میں معمولی سی کامیابی بھی نہ ہو سکی۔ موجودہ صدی کے شروع میں جب دولت عثمانیہ، جو خلافتِ اسلامیہ کا نشان تھا، کمزور ہونی شروع ہوئی تو یہودیوں نے مختلف حیلوں، بہانوں اور خدمات کے عوض فلسطین میں کچھ زمین خریدنی چاہی۔ اس پر اس وقت کے عثمانی حکمران سلطان عبدالحمید نے ہر قسم کی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یہودیوں کو ٹکا سا جواب دے دیا۔ اسرائیلی ریاست کو قائم کرنے والی صیہونی تحریک کے اُس وقت کے سربراہ، ڈاکٹر ہرزل نے اپنی ڈائری میں (جو ۱۹۳۴ء میں تل ابیب سے شائع ہوئی تھی) اس روکھے جواب کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عثمانی خلیفہ نے اس کے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ یہودی ہمیشہ کے لئے کان کھول کر سن لیں کہ ان کی زندگی میں یہودیوں

کا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ یہ خواب صرف اُس صورت میں پورا ہوگا جب عثمانی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ دیکھئے سلطان کی یہ پیشگوئی کس طرح حرف بہ حرف صحیح نکلی۔

سلطان عبدالحمید کے اس دو ٹوک جواب کے بعد یہودیوں نے سامراجی طاقتوں سے مل کر عثمانی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ ان سازشوں کے ذریعے عربوں میں قومیت کا ایسا سحر پھونکا گیا کہ انہوں نے یہودی خواب کی عملی تعبیر کو ممکن بنانے کے لئے خود آگے بڑھ کر عثمانی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس تاریخی حقیقت کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا کہ اگر اس وقت ہمارے عرب بھائی سامراجی طاقتوں کے ہاتھوں میں کھیلنے کی بجائے ترکوں کا ساتھ دیتے تو آج وہ اپنی تاریخ کے جس دردناک المیے یعنی مسئلہ فلسطین سے دوچار ہیں، اس کا وجود تک نہ ہوتا۔ لیکن بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اس قومیت کے بُت کی وجہ سے پوری نصف صدی تک خراب ہونے کے باوجود ہمارے عرب بھائیوں کی آنکھیں ابھی تک نہیں کھلیں اور یہ اُن پر بدستور بیلے کی طرح سوار ہے۔ اس کا اندازہ ایک چھوٹی سی مثال سے لگ سکے گا۔ ہمارے ہاں سعودی عرب کو تمام عرب ممالک میں سے خالص اسلامی حکومت سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مودودی صاحب اُسے مثل خلافت راشدہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن وہاں بھی زندگی کے ہر شعبے میں عربی قومیت کو فوقیت دیتے ہیں۔ عربوں کو دوسرے مسلمانوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ مثلاً وہاں غیر سعودی عرب استاذ کو ۲۴سو ریال ماہوار تنخواہ دی جاتی ہے، جبکہ اُس سے اعلیٰ علمی لیاقت کے پاکستانی استاذ کو اس کا نصف یعنی ۱۲سو ریال کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ (ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور بابت اپریل ۱۹۷۴ء صفحہ ۹۱)

کہا جاتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دُہراتی ہے۔ آج ایک دفعہ پھر عرب اور دوسرے اسلامی ممالک المیہ فلسطین سے بھی زیادہ نازک تاریخی موڑ پر کھڑے ہیں۔ اگر خدانخواستہ بھارت اپنے ایٹمی ہتھیاروں کے ذریعے پاکستان کو تباہ کرنے کے قابل ہو گیا تو پھر ہمارا کوئی عرب بھائی بھی اس سے بچ نہیں سکے گا۔ کیونکہ اس کی اصلی نظر مشرق وسطےٰ کے تیل پر ہیں۔ جس کے بغیر وہ چند دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ خیال رہے کہ بھارت کے یہ مقاصد و عزائم کوئی خفیہ دستاویزات میں پوشیدہ نہیں، بلکہ وقتاً فوقتاً اس کی طرف سے اس کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً اپنی آزادی کے صرف دو ہی سال بعد بھارت کے ایک مشہور ڈپلومیٹ شری ایس۔ ایس پانیکر نے ۱۹۴۹ء میں واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا تھا کہ ہندوستان کی دفاعی سرحدیں بحیرہ روم تک پھیلی ہوئی ہیں۔ (ملاحظہ ہو روزنامہ نوائے وقت بابت ۳۰ مئی ۱۹۷۴ء، صفحہ ۲)

بھارت کے ایٹمی بم کی تیاری کی خبریں پچھلے کئی برسوں سے آ رہی تھیں۔ بلکہ ہندوستانی ریڈیو کے تبصروں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایٹم بم کئی سالوں سے تیار رکھا تھا اور صرف اس کے دھماکے کے لئے مناسب وقت کا انتظار تھا۔ ان تبصروں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس بارے میں بڑی بڑی طاقتیں بھی تمام تفصیلات سے پوری طرح آگاہ تھیں۔ اس حقیقت کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ انہی دنوں جنیوا میں تخفیف اسلحہ کی کانفرنس میں امریکی اور برطانوی مندوبین نے تقریریں کرتے ہوئے بھارت کے ایٹمی دھماکے کی طرف اشارہ تک بھی نہ کیا۔ (روزنامہ نوائے وقت ۲۸ مئی ۱۹۷۴ء صفحہ ۳) . . . . . .

حالانکہ یہی ممالک ایٹمی اسلحہ کے پھیلاؤ کے خلاف معاہدے پر دستخط کروانے کے سلسلے میں کہتے رہتے تھے کہ اگر ان کے علاوہ دوسرے ممالک نے بھی ایٹمی صلاحیت حاصل کر لی تو عالمی امن تہہ و بالا ہو جائے گا۔ تاہم ان دونوں بڑی طاقتوں کی سرکاری طور پر خاموشی کے باوجود وہاں کے اخبارات نے بھارت کے ایٹمی دھماکے اور اس کے عزائم کی خوب خبر لی ہے اور بڑے سخت الفاظ میں اس کی ملامت کی ہے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ عربی دنیا کے کسی بھی مشہور اخبار نے اس بارے میں احتجاج کا ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔

اس خطرناک صورت حالات کے پیش نظر ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے عرب بھائیوں کو اس سنگین خطرے سے آگاہ کریں۔ ورنہ تاریخ ہمیں معاف نہ کرے گی۔ اس مقصد کے لئے کم از کم مندرجہ ذیل اقدامات کی فوری ضرورت ہے :-

(۱) عرب بھائیوں کو ہندو کی شیطانی فطرت، شاطرانہ چالوں اور خطرناک عزائم سے پوری طرح آگاہ کرنا۔

(۲) بھارت کے اس جھوٹے پروپیگنڈے کے اثرات زائل کرنا کہ برصغیر کی تقسیم سامراجی طاقتوں کی سازش کا نتیجہ ہے۔

(۳) قرآن کریم اور علامہ اقبالؒ کے افکار کی روشنی میں عربوں کو نظریۂ پاکستان سے اچھی طرح روشناس کرانا۔

جیسا کہ راقم پہلے عرض کر چکا ہے، 'عرب تو کجا' ہماری اپنی نئی نسل بھی ہندو کی شاطرانہ فطرت' اور اس کے خطرناک عزائم سے کماحقہٗ آگاہ نہیں۔ تاہم ہماری خوش قسمتی ہے کہ ابھی تک ہمارے بزرگوں میں ایسے اہل علم حضرات موجود ہیں کہ جو اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں اس بارے میں نئی نسل کی قابل قدر رہنمائی کر سکتے ہیں۔ بلکہ جن کے دل میں قومی اور اسلامی درد ہے وہ پہلے سے ہی یہ کام کر رہے ہیں۔ مثلاً علامہ پرویزؔ، کہ جنہیں اس دشمن اسلام قوم سے تعلقات کا ذاتی تجربہ ہے، نے اس سلسلے میں قابل قدر تحقیقی کام کیا ہے۔ ہندو کی فطرت کو آشکارا کرنے کے لئے ان کا کتابچہ "ہندو کیا ہے؟" ایک معرکۃ" الآراء تصنیف ہے جسے انہوں نے اپنے محدود ذرائع کے باوجود زیادہ سے زیادہ حد تک پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کتابچے کو عرب ممالک سمیت تمام اسلامی ممالک میں وسیع پیمانے پر تقسیم کرنے کا انتظام کیا جائے۔ اس سے پاکستان اور ملت اسلامیہ کے حق میں عمدہ نتائج مرتب ہوں گے۔ یہ کام آج سے بہت پہلے کرنے کا تھا اور میرا یہ یقین ہے کہ اگر یہ ہو جاتا تو آج اُمتِ مسلمہ بھارت کے اس خطرناک ایٹمی دھماکہ پر اس طرح مجرمانہ خاموشی اختیار نہ کرتی۔

دوسرے دونوں اقدامات یعنی ہندوستان کے جھوٹے پروپیگنڈے کے اثرات کو ختم کرنا اور عرب بھائیوں کو علامہ اقبالؒ کے افکار کی روشنی میں نظریہ پاکستان سے متعارف کرانے کے لئے حکومتِ پاکستان کی جانب سے دو دفعہ نہایت شاندار پروگرام شروع کئے گئے۔ لیکن افسوس ہے کہ اُنہیں پوری طرح تکمیل تک نہ پہنچایا گیا۔ مثلاً جب فضا میں شری۔ ایس۔ ایس پانیکر کا وہ بیان گونجا جس کی طرف گذشتہ صفحات میں اشارہ کیا گیا ہے تو ہمارے سفارتی افسروں نے چوٹی کے اہل قلم عربوں کی خدمات حاصل کیں جنہوں نے قیام پاکستان کے اصلی وجوہ پر روشنی ڈالتے ہوئے قابل قدر مضامین مرتب کئے۔ یہ مضامین عرب پریس میں بھی شائع ہوئے۔ اور پاکستان کے دو ماہی عربی رسالے "الوعی" میں بھی جو ان دنوں قاہرہ سے شائع ہوتا تھا، علامہ اقبالؒ مرحوم

کے کلام کا منظوم عربی ترجمہ کرانے کے لئے پاکستان میں مصر کے سفیر ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کا تعاون حاصل کیا گیا۔ انہوں نے پرویز صاحب کی رفاقت سے علامہ صاحب کی کتابوں کے ترجموں کے علاوہ، ان کے افکار اور شاعرانہ خصوصیت پر ایک مستقل کتاب بھی تصنیف فرمائی۔ یہ تمام کتابیں شائع ہوئیں لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر اس پروگرام کو تکمیل کے مراحل تک نہ پہنچایا گیا۔ اور اب حالت یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ پر عربی زبان میں یہ بہترین لٹریچر موجود تو ہے لیکن کہیں سے دستیاب نہیں ہوتا۔ حالانکہ عرب ممالک میں اس کی خاصی مانگ ہے۔ کئی عرب اہل علم راقم سے اس بارے میں کئی دفعہ استفسار کر چکے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ باوجود کوشش بسیار، ان کے لئے تو ایک طرف، میں خود اپنے لئے بھی یہ کتابیں حاصل نہیں کر سکا۔ پچھلے دنوں عرب ممالک جانے کا اتفاق ہوا تو پرویز صاحب سے ان کا ذاتی سیٹ، عاریتاً لے کر گیا۔ عرب ممالک میں ان کی نایابی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ خود ڈاکٹر عبدالوہاب عزام رح کے بھتیجے ڈاکٹر ممدوح عزام (جو جامعۃ الدول العربیہ" میں پروفیسر ہیں) کے پاس بھی یہ کتابیں نہیں تھیں اور ان کی خواہش کے باوجود میں انہیں مہیا نہ کر سکا۔

ضرورت ہے کہ عرب ممالک میں ان کتابوں کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی جائے۔ خیال رہے کہ اس سلسلہ میں ہمارے اخراجات تو کافی ہو رہے ہیں لیکن ان سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا۔ مثلاً اگر ڈاکٹر عبدالوہاب عزامؒ کی مذکورہ بالا کتابوں کے دس دس ہزار نسخوں کے ایڈیشن بھی چھپوا لئے جائیں۔ تو ان پر شاید اتنی رقم بھی خرچ نہ ہو جتنی کہ پچھلے دنوں دستور پاکستان کے عربی ترجمے پر لبنان سے صرف اس کی تصحیح کرانے پر خرچ کی گئی تھی۔

اس سلسلے کا دوسرا قدم چند سال پہلے اٹھایا گیا۔ وہ یہ تھا کہ علامہ اقبالؒ کی شاعری کو عرب دنیا میں متعارف کرانے کے لئے مصر کی مشہور مغنیہ ام کلثوم کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مادام ام کلثوم نے جب علامہ کی مشہور نظم شکوہ اور جواب شکوہ کے منظوم عربی ترجمے کو اپنے مخصوص لے میں فضائے عالم میں نشر کیا۔ تو دنیا مسحور ہو کر رہ گئی۔ اور اس کے نتیجے میں ان میں، علامہ اقبالؒ کے افکار اور شاعری کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا تجسس پیدا ہوا۔ اپنے اس تجسس کی تسکین کے لئے انہوں نے اس موضوع پر عربی مواد حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اس موضوع پر قابل قدر عربی لٹریچر موجود ہونے کے باوجود انہیں محرومی کا سامنا کرنا پڑا۔ بھارت تو ایسے مواقع کی تاک میں رہتا ہے۔ اس نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا اور ملک بھر کی یونیورسٹیوں میں علامہ اقبالؒ پر کانفرنسوں اور نمائشوں کا وسیع انتظام کیا، جن میں نہ صرف یہ کہ عرب ممالک کے سفیروں کو بلایا گیا بلکہ چوٹی کے عرب اہل قلم کو بھی شرکت کی دعوت دی۔ ان میں اقبالؒ کو ایک خالص قومیت پرست کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ ازاں بعد انہوں نے ان تفصیلات کو اپنے عربی رسائل میں شائع کر کے عرب دنیا میں پھیلایا اور پھر عرب ممالک سے ہوتی ہوئی یہ تفصیلات ہمارے ہاں بھی پہنچیں۔ اس طرح ہوا یہ کہ مادام ام کلثوم کی خدمات حاصل کرنے پر روپیہ تو ہمارا صرف ہوا اور اس کا فائدہ بھارت نے اٹھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں جو کچھ کیا جاتا ہے محض ہنگامی طور پر کیا جاتا ہے۔ کوئی متعین مقصد سامنے رکھ کر نہیں کیا جاتا۔ اور اصل تو یہ ہے کہ متعین

مقصد خود ہماری قوم کے سامنے کوئی نہیں۔

پیامِ اقبالؒ کی نشر و اشاعت کے علاوہ، یہ بھی ضروری ہے کہ سرکاری عربی رسائل البشیرؔ اور الوعیؔ میں عرب اہلِ قلم کے تعاون سے قیامِ پاکستان کے اصل وجوہ پر جو علمی مضامین شائع ہو چکے ہیں انہیں بھی کتابی صورت میں شائع کر کے عرب ممالک میں وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے۔

ان تفصیلات سے یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آجاتی ہے کہ ہمارا دشمن بھارت عرب ممالک میں بُری طرح سے ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔ اور ہماری معمولی سے معمولی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ اور ہم ہیں کہ ابھی تک اپنے جذبات کی دنیا میں مست ہیں۔ ہمارے اس جذباتی پن کا اندازہ اس سے لگ سکے گا۔ کہ جن دنوں پاکستان کے بالاقامت دوست 'کرنل معمر القذافی' صدر مملکت لیبیا' ہمارے ملک کا دورہ کر رہے تھے، ٹھیک انہی دنوں ہندوستان' لیبیا میں ایک بہت بڑے ٹیکسٹائل مل کا سنگِ بنیاد رکھ رہا تھا۔ جس کے لئے ہزاروں کی تعداد میں کاریگر اور مزدور ہندوستان سے جائینگے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ ڈیڑھ دو سال کے بعد بھارت ہمیں زرمبادلہ کی اُس خطیر رقم سے محروم کر دے گا۔ جو ہم لیبیا کو سوتی کپڑا خاص کر بڑے بڑے تولیے' برآمد کر کے کماتے ہیں۔

ان حالات کی روشنی میں ہم پر یہ لازم آتا ہے کہ ہم اپنے عرب بھائیوں کو ہندو کی شاطرانہ چالوں اور اس کے مکارانہ عزائم سے آگاہ کرنے کی سرتوڑ کوشش کریں۔ اسی میں ہمارا، ہمارے عرب بھائیوں کا اور ملتِ اسلامیہ کا فائدہ ہے۔ اس حقیقت کو دُھرانے کی ضرورت نہیں کہ بھارت کے ایٹمی دھماکے کے بعد ملتِ اسلامیہ تاریخ کے ایسے نازک موڑ پر کھڑی ہوئی ہے کہ المیہ فلسطین سے بھی زیادہ سنگین اور خطرناک مسئلہ سے دو چار ہونے کا خدشہ اس کے سر پر منڈلانے لگا ہے۔ اور اگر اب بھی ہم نہ سنبھلے تو ہمارا جو حشر ہوگا اس کے متعلق اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ؎

کہ ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

یٰلیتنی مت قبل ھذا و کنت نسیا منسیا

پیشگی کھاتہ والے خریدارِ کتب متوجہ ہوں

جیسا کہ جون ۱۹۷۴ء کے شمارے میں اعلان کیا جا چکا ہے۔ محترم پرویز صاحب کی نایاب تصنیف "من و یزداں" کا نظرِ ثانی کے بعد تازہ ایڈیشن (قیمت ۲۵ روپے) چھپ کر آ گیا ہے۔ نئی کتب بالعموم پیشگی خریداروں کو اُن کے کھاتوں کے حساب میں ارسال کر دی جاتی ہیں۔ لہٰذا جن کھاتہ داروں کو کتاب "من و یزداں" کی ضرورت نہ ہو وہ ۱۳؍ جولائی ۱۹۷۴ء تک ادارہ ہذا کو اپنے فیصلہ سے مطلع فرما دیں۔

(ناظم ادارہ طلوعِ اسلام)

مجلسِ مذاکرہ

(طلوعِ اسلام کنونشن۔ نومبر ۱۹۷۳ء)

عنوان: "نہ ہو نومید" نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے

(قسط سوم)

(۶)

شہباز: سر!

محترم صدر صاحب و سامعین کرام! آج جبکہ طلوعِ اسلام کے اسٹیج سے یہ نعرہ دیا جا رہا ہے کہ "نہ ہو نومید" اس وقت بچے کھچے پاکستان کی حالت یہ ہے کہ ہر طرف مایوسی و نومیدی کے سیاہ بادل چھا رہے ہیں سوچ کے دائرے محدود سے محدود تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اُٹھنے والا ہر قدم تباہی و بربادی کی گھاٹیوں کی جانب کشاں کشاں لیے جا رہا ہے۔ ان حالات کی تصویر کشی، مختصراً اس سے بہتر الفاظ میں نہیں کی جا سکتی کہ ؎

تیرگی ہے کہ امڈتی ہی چلی آتی ہے شب کی رگ رگ سے لہو پھوٹ رہا ہو جیسے

حضرات محترم، نوعِ انسانی کا کشمکشِ زندگی سے دوچار ان کے لئے پیغامِ نومیدی لایا ہے۔ یہ نومیدی آخر ہے کیا؟ آیئے پہلے اسی کا جائزہ لیں۔ ابتدائے آفرینش سے انسان اپنے محدود علم کے باوجود مظاہرِ فطرت پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اس میں اسے کامیابیاں بھی ہوئی ہیں اور ناکامیاں بھی۔ کامیابیوں کے فوائد سے قطعِ نظر ناکامیوں کے نقصانات میں سے جس چیز نے نوعِ انسانی کی رگوں سے لہو کھینچ لیا ہے وہ ان کا اپنی ہی مایوسی، اپنی ہی شکست کے سامنے سپر انداز ہونا ہے۔ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ انسان نے جب بھی کوئی نئی چیز دیکھی، پہلے اُسے مسخر کرنے کی کوشش کی۔ اگر تسخیر کر لیا تو نازاں و فرحاں ہوتے اور اگر کوشش ناکامیاب ثابت ہوئی تو اس کے آگے جھک گئے، ماتھا ٹیکنا شروع کر دیا۔ بالفاظ دیگر اپنی صلاحیتوں پر سے اعتماد ختم ہو گیا۔ سوچ کے دروازے خود اپنے اوپر بند کر لئے گئے۔

خواتین و حضرات۔ یہی تو نومیدی ہے۔ یہی وہ فرار کی راہ ہے جو زندگی کے سخت تقاضوں اور ان کی صبر آزما کشمکش سے گھبرا کر اختیار کی جاتی ہے اور باطنیت (خدا اور مذہب کا انفرادی تصور) اس راہ فرار کا اول و آخر گوشہ ہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ یہ نومیدی آخر انسانی خمیر میں کیونکر در آئی؟ انسان صحیح راستے سے بھٹکا کیوں کر؟ اس کی وجہ جاننا پڑے گی۔

محترم صدر صاحب! ازل سے یہ دستورِ آدم چلا آتا ہے کہ جب کبھی اس کی خود قائم کردہ تصوراتی و نظریاتی سرحدوں پر دستک دی گئی۔ اس نے اُسے درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھا اور ہنگامۂ شب و روز ہی میں الجھا رہا۔ کسی نئی چیز کے بارے میں سننا تک اسے روا نہیں رہا اس لئے کہ جن قوتوں یا نظریوں کے یہ ذہنی طور پر غلام بن چکے تھے اُن سے ورا اِن کے ذہن سوچنے ہی سے معذور تھے۔ ان کے سامنے سے واضح اور متعین نصب العین کو ہٹا دیا گیا تھا اور یہیں سے نومیدی کا زہر ان کے رگ و پے میں سرایت کرنا شروع ہوا۔ ساتھیو! مایوسی و نومیدی جنم پاتی ہے خیال و خواب (IDEALISM) کی دنیا میں رہنے سے اور اس کے نتیجے میں بے مقصد زندگی بسر ہوتی ہے۔ ایسی بے مقصد زندگی میں جذبۂ تخلیق بے موت مرجاتا ہے۔ اور یوں زندگی کو سمجھنے کے علوم رفتہ رفتہ اپنی افادیت کھو بیٹھتے ہیں۔

ہماری تاریخ تو ایسے سیاہ بابوں سے پُر ہے۔ قرونِ اولیٰ کے بعد سے ہی ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کے گٹھ جوڑ نے اُمت کو ذہنی غلامی کے گڑھے میں دھکیل دیا۔ اسی قیادت سے سرمایہ دارانہ نظام نے جنم لیا۔ ذہنوں پر یہ اپنی گرفت مضبوط سے مضبوط تر کرتے گئے اور پھر بعد ازاں غلامی محسوس شکل میں انگریزوں کے دور میں سامنے آئی۔ مگر خوئے غلامی اتنی مضبوطی سے جڑ پکڑ چکی تھی کہ پھر بھی اسلام کو آزاد ہی سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ اسلام کی تو پہلی تعلیم ہی یہ تھی کہ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے ہی جیسے اختیار و ارادہ کے مالک انسانوں پر کوئی بھی کسی بھی قسم کی پابندی عاید کرے۔ مگر ؎

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ طاغوتی قوتیں چار جانب سے مسلمانوں کے مفاد پر حملہ آور ہوتی رہی ہیں۔ ہر دور میں یہودیوں سے جتنا نقصان مسلمانوں کو پہنچا ہے شاید ہی کسی اور سے اتنا نقصان پہنچا ہو۔ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی ان کی ریشہ دوانیاں کئی گل کھلا چکی ہیں اور اب تو ساری دنیا پر معاشی و سیاسی لحاظ سے چھائے ہوئے ہیں۔ دنیا بھر کے پریس پر ان کا تسلط ہے جہاں سے یہ مسلمانوں کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ ہندو ہمارے موجودہ دور کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اسکی ریشہ دوانیاں بڑے ہی مہلک بیج بو رہی ہیں مگر ان سب سے بڑھ کر کردار ہماری مذہبی پیشوائیت نے ادا کیا ہے۔ مذہب کی افیون سے انہوں نے پوری امت کو تھپک تھپک کر سلا دیا ہے اگرچہ ان کے اس عمل کے بعد کسی اور حربہ کی ضرورت باقی نہیں تھی مگر طاغوتی قوتیں تو مسلمان کے نام کو ہی خواہ وہ مذہب گزیدہ اور یاس و نا اُمیدی کا مارا ہوا ہی کیوں نہ ہو، مٹانا چاہتی ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ اس محاذ پر

سرگرم عمل ہیں۔ بھائیو اور بہنو ۔۔۔! ہماری اور ان کی یہ جنگ ہمارے لئے اپنے بقا کی جنگ ہے اور ہمیں ہر صورت اس محاذ پر جیتنا ہے۔ اس جنگ کے لئے ضرورت تو تھی نئے خون کی کہ پرانے خون کا تو قطرہ قطرہ غلامی میں بسا ہوا ہے۔ مگر یہاں تو جوانانِ ملت کو بھی گہنا دیا گیا ہے۔ ان کی صلاحیتوں کو زنگ آلود کرنے کے لئے اب معاشی محاذ کھولا گیا ہے۔ اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ آج کا دور بھی دورِ معاشیات یعنی AGE OF ECONOMICS ہی کہلاتا ہے لہٰذا آج کے نوجوان کے لئے سب سے اہم مسئلہ معاشی عدم تحفظ کا ہے۔ روزمرہ کے حالات انہیں یہ سبق دیتے ہیں کہ جیسے بھی ہو سکے زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹ لو۔ کیونکہ اگر کل کلاں تمہیں کچھ ہو گیا تو پھر پوچھنے والا کوئی نہ ہوگا۔ اور یوں بدعنوانیوں کی بیل مونڈھے چڑھ رہی ہے۔ اس پر ایک صاحب کا واقعہ یاد آ گیا جو کہ سرکاری ملازم تھے۔ دورانِ ملازمت ایک بیماری سے ان کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی۔ ساتھ ہی رعشے کے مرض نے ہلہ بول دیا۔ دورانِ بیماری جو جمع پونجی تھی وہ علاج پر اٹھ گئی۔ ملازمت بھی جاتی رہی۔ پیٹ کے جہنم کو پُر کرنے کا مسئلہ پھر سر پر کھڑا تھا۔ رعشے کی وجہ سے کہیں ملازمت نہیں ملتی تھی۔ لہٰذا وہ گلی گلی صدا لگانے پر مجبور ہو گئے۔ اس حالت میں کہ ایک قدم چلتے ہیں تو دس بار لڑکھڑاتے ہیں۔ انہیں کہیں سے سماجی تحفظ کی آس نہیں۔ ایک طرف تو وہ صحیح علاج نہ ہونے کے باعث معذور ہو گئے اور دوسری طرف اُن کی عزتِ سربازارِ نیلام کی جا رہی ہے۔ ایک دوست نے ان کی اس حالت سے سبق یہ لیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو جائز و ناجائز ہر ذریعے سے اپنے مستقبل کو محفوظ کرنے کی تدبیر کرنی چاہیئے۔ لیجئے نوجوان کی دنیا صرف معاش تک محدود ہو کر رہ گئی بلکہ یوں کہیئے کہ کر دی گئی۔ اُسے معاشرے میں عدم تحفظ کا احساس دلایا گیا اور بقایا کام خود بخود ہو گیا۔ حالانکہ ان کی ایک ہی للکار اس نظامِ باطل کی دھجیاں بکھیر سکتی تھی مگر ان کی تعلیم و تربیت ہی ان خطوط پر کی گئی کہ ان کے اعصاب پر ہر وقت کسی نہ کسی چیز کا خوف چھایا رہے۔ دورانِ تعلیم آئندہ کی زندگی کا خوف، یہ احساس کہ باوجود محنت کے جائز ثمر سے محروم رہیں گے، ملازمت کیسے ملے گی؟ کہ معاشرہ میں سفارش و رشوت کا دور دورہ ہے۔ یہ سب احساس (FRUSTRATION) پیدا کرتے ہیں۔ اور یوں دھیرے دھیرے نومیدی، پرچم لہراتی بڑھتی ہے۔ اس کے وار ہمارے اتحاد کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں بھی کامیاب ہو چکے ہیں۔ آج کے مسلمان، وطن کی نسبت سے اپنی پہچان کراتے ہیں۔ نظریاتی طور پر بحیثیت ایک قوم اب ہمارا کوئی وجود نہیں۔ دو قومی نظریہ کہ جو اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے اُس کا تو اب ذکر ہی عبث ہے جبکہ ہم تو جغرافیائی لحاظ سے بھی ایک قوم کہلانے کا حق نہیں رکھتے۔ ہمارے ملک کا بڑا حصہ لسانی و جغرافیائی بنیادوں پر ہی ہم سے جدا ہو چکا ہے۔ بقیہ ماندہ پاکستان بھی اسی راہ پر بڑھ رہا ہے غرضیکہ نومیدی کا عفریت ہر طرف سے بازو پھیلائے بڑھتا آ رہا ہے۔

خواتین و حضرات! نومیدی کے اتنے خطرناک نتائج سے یقیناً اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ یہ ابلیسی قوتوں کا سب سے مہلک حربہ ہے۔ انسان بحیثیت انسان اس سے مار کھا سکتا ہے۔ مگر قرآن کا طالب علم ہونے کی جہت سے یہ ہمارا فرض ہے کہ قرآن سے اس باب میں راہ نمائی حاصل کریں اور پھر اس بنیاد پر اپنے عمل کی عمارت تعمیر کریں۔ قرآن کے مطابق۔ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا

الغٰفِلُوْنَ ۔ "خدا کی رحمت سے نومید وہ ہوتے ہیں جو غلط راستوں پر چل نکلیں یا جنہیں راستہ نہ مل سکے" لہٰذا یہ بات تو واضح ہوئی کہ صحیح راستہ پر چلنے سے نومیدی پاس نہیں پھٹکتی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحیح راستہ کیا ہے تو پھر قرآن ہی کے الفاظ میں "ہم نے انہیں راستہ دکھانے والی کتاب دی اور جو اس کی صداقت پر یقین رکھیں یہ اُن کے لئے سامانِ رحمت و ہدایت اپنے اندر رکھتی ہے" (۵۲) اس یقین دہانی کے بعد ہمارے سامنے نومیدی تارِ عنکبوت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟ غلامی کے اثر نے ہماری پرانی نسل میں تو ولولہ و ہمت کو پیدا ہی نہیں ہونے دیا۔ اب اگر نئی GENERATION کی تربیت صحیح خطوط پر کی جائے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا قرآن کے پیغام کو ملک کے گوشے گوشے تک پہنچانا اس وقت ہمارا اوّلین فریضہ ہے۔ نومیدی کے اس سارے طلسم کو امید کی صرف ایک کرن باطل ثابت کر دے گی اور پھر اس واضح اور روشن راستے پر سب کا یک قدم ہو کر چلنا ایک لازم امر ہوگا۔ اس لحاظ سے نومیدی کا یہ دور ہمارے لئے شمعِ امید بن کر اُبھرا ہے۔ لہٰذا زمانے کے تلخ و ترش کی پرواکئے بغیر ہمیں جانبِ منزل بڑھتے ہی جانا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر ۔۔۔ فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

نگینہ فاروقی

(۷)

صدرِ محترم و معزز سامعین!

چودہ اگست ۱۹۴۷ء کا دن مسلمانانِ برصغیر کے لئے نہایت مبارک و پُر نور دن تھا۔ اس دن خدا انہیں تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لے آیا تھا اس دن اُمیدوں کے سینکڑوں چراغ جلے اور آرزوؤں کی ہزاروں کرنیں چمکیں تھیں ــــــ لیکن آج پچیس سال بعد اگر تاریخِ پاکستان پر سرسری نگاہ ڈالی جائے تو اندازہ ہو جائے گا کہ قوم کس طرح دو قومی نظریہ کے جلتے ہوئے چراغ سے فیضیاب نہ ہونے کی وجہ سے پھر تاریکی کے سمندر میں ڈوب گئی۔ قوم کے جسم کی باریک رگوں سے کسب و عمل کے خون کا آخری قطرہ تک خشک ہو گیا اور اس زہر آلود فضا کے ہر جھونکے نے قوم کو موت اور سکون کی نیند سُلا دیا ــــــ تو چند سال پیشتر اس مقدس تحریکِ طلوعِ اسلام کی بزمِ مذاکرہ میں قوم کی مایوس کُن فضا کو چیرتی ہوئی ایک جگر سوز آواز نکلی کہ

اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے

یعنی کون سی راہ اختیار کی جائے کہ آدمی انسان اور انسان مومن بن سکے اور پھر جب فیصلہ دو جہان کو روشن کرنے والی کتاب قرآن حکیم سے لیا گیا تو پریشان خیالی اور افسردہ خاطری کے تمام پردے ہٹ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم نے مایوسی کی سُلگتی ہوئی آگ کو یکسر ٹھنڈا کرنے والا نعرہ لگایا ہے کہ

نہ ہو نومید ، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے

سامعینِ کرام! اقوام کی زندگی میں افسردہ خاطری اور (DEPRESSION) کی کیفیت ان کی تباہی کی علامت ہوتی ہے کیونکہ اس سے انسان میں کچھ جاننے اور جدوجہد کرنے کی قوتِ متحرکہ کو بریک لگ جاتی ہے،

علم و عرفان کی شمعیں گُل ہو جاتی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انسان قرآن کے بتلائے ہوئے رستے کی طرف نہیں آرہا اور اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کی بجائے لکیر کا فقیر ہوا بیٹھا ہے۔ کوتاہ نظروں نے اس کے حصّوں کو لے کر الگ الگ بُت کھڑے کر لئے ہیں۔ مولوی اس کو علی الحساب رواں پڑھ لیتا ہے۔ حافظ الگ رٹے ہوئے الفاظ دُہرا لیتا ہے۔ زبانی اقرار لاکھ سہی اس کے کہے پر دس قدم چلنا بھی گوارا نہیں۔ یہ سب کچھ بے علمی کا دردناک منظر ہے اور جہالت کا الم انگیز جمود۔ قرآن کو سمجھنے کے لئے کسی زمانے میں انتہائی تدبر اور علم کی ضرورت اس قدر تھی، اس کے ہر ٹکڑے پر غور و فکر کرنا اس قدر درکار تھا کہ خود صاحب القرآن نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ کی کہ اس کے مطالب سمجھنے میں جلد بازی مت کرو، بات کو پورا ہونے سے پہلے اور وحی کے مکمل ہونے سے پیشتر کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش مت کرو۔ یہ خدائے زمین و آسمان کا کلام ہے۔ اس کے علم کا کمال تم کو اس کی انتہائی حکمت تک پہنچائے گا۔ اس کے اضافہ کی دُعا مانگا کرو۔ یہی وجہ تھی کہ تیئس برس جستہ جستہ اُتارا اور رسولِ عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اس کی ایک ایک آیت نقش ہوتی گئی۔ مسلمان اسے جو کچھ سمجھتے ہیں سمجھتے رہیں۔ اس کو سو بار پڑھ کر مُردوں کو ثواب پہنچاتے رہیں۔ اس کو جزدانوں اور غلافوں میں لپیٹ کر مکر سے چُھوتے رہیں۔ بالائے طاق رکھیں یا آنکھوں پر لگائیں اور کام کے وقت اس کے لئے دس قدم نہ چلیں۔ مگر یہ وہ کلام ہے کہ جس کو خدا نے اپنے سلسلۂ ہدایت کی آخری کڑی قرار دیا۔ اور جس کو سمجھنے کے لئے اس کا رسولؐ ۲۳ برس تک رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کی دُعا مانگتا رہا۔ لیکن آج لوگ اس کے معانی کو دیکھ کر کچھ متعجب نہیں ہوتے اس کے احکام کو سُن کر اپنے میں کچھ تحرک نہیں پاتے۔ اس کی حکمت کو پا کر تڑپ نہیں اٹھتے وہ آیات خدا جن کے مطالب کی جستجوئیں کارگاہِ جہان کے سازِ امن و راحت پر بجائے خود ایک مضرابِ عمل تھیں۔ آج انسان کی ضد اور جہالت کے باعث جمود و فرقہ بندی کا محور بن چکی ہیں۔ علمائے دین و شارحین اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تعمیر کر رہے ہیں ہر شخص اپنے اپنے پروانے کو لئے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہوا ہے۔ اور موت کے انتظار میں چراغِ سحری کی طرح ٹمٹما کر اپنی زندگی کا سطحی ثبوت دے رہا ہے ——— اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خطرات کی خاردار جھاڑیوں سے بچنے کی بجائے اُن میں گُھستا چلا جاتا ہے اور قدم قدم پر دامن کو کانٹوں سے چھڑاتے چھڑاتے اپنا پچھلا طے کیا ہوا رستہ بھی بھول جاتا ہے۔ بالآخر جب مُڑ کر دیکھنے سے ہاتھ پلّے کچھ نہیں پڑتا تو چار و ناچار جدھر بن پڑتا ہے منہ اٹھائے خود کو دھکیلتا چلا جاتا ہے ——— اور یہ تو صراطِ مستقیم سے ہٹی ہوئی راہ ہے۔ یہ فرقہ بندی کی راہ ہے۔ شیعہ، سُنّی، حنفی، شافعی اور وہابی کی خود ساختہ راہ ہے۔ مکر و فریب سے یہ کہہ دینا کہ "اصولاً" اسلام میں کوئی فرقہ نہیں لیکن فرقہ بند ہو کر اُمت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ان میں موت کے سامان پیدا کر دینا اور پھر سب فرقوں کو جنت کا ٹکٹ تھما دینا یہ فریب کاری نہیں تو اور کیا ہے۔ اُمت کے کسی قائد، کسی پیر فقیر، کسی ولی یا امام کو پیشوا کہہ کر اس کا اتباع کرنا ظلمِ عظیم ہے۔

ایک مغربی نقاد نے حسنِ اعتقاد کی ان باطل آرائیوں کی ایک دلچسپ مثال ایک مشہور شاعر کے کلام کی مروجہ تشریحوں کو پیشِ نظر رکھ کر دی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پاپائے رومۃ الکبریٰ کے معتقد (رومن کیتھولک) کے ہاں دستور ہے کہ اپنے اولیاؤں و راہبوں کی تصویروں کو گرجاؤں میں بطورِ تبرک لٹکا دیتے ہیں۔ پھر لوگ اعتقاد کے مطابق ان تصویروں کے نیچے اس نیت سے چراغ جلا دیتے ہیں کہ ان کی روشنی ان کے چہروں کو منور کر دے اور وہ اور بھی پُر رونق نظر آئیں۔ جس قدر اعتقاد کی شدت کسی ولی کی نسبت لوگوں کو ہے اسی قدر اس کی تصویر کے نیچے چراغ جلتے ہیں اور اسی قدر عوام کی نظروں میں وہ بزرگ مقدس شمار ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق چراغ جلاتا ہے۔ کوئی موم بتی کا صیقل کیا ہوا شمعدان لا کر رکھ دیتا ہے تو کوئی روئی کی بتی کا پرانی وضع کا تیل سے بھرا ہوا دیا نہایت ارادت سے ٹکا دیتا ہے۔ مگر اس تمام عقیدت آرائی کا مجموعی اثر اس تصویر پر یہ ہوتا ہے کہ بتیوں کا پیچ در پیچ اور چکناہٹ سے بھرا ہوا دھواں اس ولی کے چہرے کو سیاہ کر دیتا ہے اور چہرے کے تمام خط و خال رفتہ رفتہ مسخ ہو جاتے ہیں۔ —— ایک شاعر کے بے نتیجہ کلام کے متعلق عقیدتمندوں کا حسنِ ظن ممکن ہے کہ ایک فرد پر بھی کوئی مضر اثر نہ ڈال سکا ہو۔ لیکن مالکِ زمین و آسمان کے کلام کے صحیح مفہوم کے بجائے ظن و قیاس ایک عالمگیر قوم کی تاریخ میں ناقابلِ تلافی نقصان ہے —— اور اگر آج چودہ سو سال کے بعد اسلام کا لہلہاتا ہوا چمن مایوسی اور شکست کی ماتم سرا بن گیا ہے اس کی ہر روش بربادی کے سپرد اور اس کا ہر گوشہ خرابی کا امین بن چکا ہے۔ اگر اس کی خانہ ویرانی کے افسانے دشمن کے شکر خند اور قہقہے بن رہے ہیں اگر آج اس کی ذلت و مسکنت کی چوٹ دلوں کو فگار اور سینوں کو پاش پاش نہیں کر رہی۔ اگر بے حسی کے موت آفریں زہر نے آج اس کے ہر فرد کو بے پروائے سعی و عمل کر دیا ہے۔ اگر اس کے یتیموں کے دلفگار آنسو اور بھک منگوں کی جاں گداز آہیں فرشِ زمین میں شگاف اور سقفِ آسمان میں سوراخ نہیں کرتیں۔ اگر خود اُمت اپنی مجرمانہ غفلت اور ظالمانہ طریقِ عمل کی بدولت مایوسی اور شکست کی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہو چکی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کے مقاصد و مفہوم کی موہنی مورت سیاہ کر دی ہے۔ اسلام کو بڑی بڑی ٹوپیوں والے مولوی حضرات اور دو دو گز لمبی قباؤں والے فقیہوں نے مسواکوں اور عماموں میں چھپا دیا ہے۔ انہوں نے قرآنی آیات کو بازو پر باندھ کر شفا کی اُمید رکھیں۔ اس کے اوراق سے قالین بنا لیں اور کلام الٰہی کے حروف کو طلسماتی قسموں سمجھ کر فوری اثر کے انتظار میں رہے۔ صدر محترم! اسی قسم کے طریقِ عمل سے بالآخر نسلِ انسانی کا ہی زوال ہو جاتا ہے۔

لیکن قرآن حکیم تو وہ کتاب ہے جو قوم کی مایوس کن حالت میں بھی ہر لحظہ نیا طور، نئی برقِ تجلی کا نغمۂ سحر سناتا ہے۔ اس کی طرف آتے ہی بھٹکے ہوئے راہی کو نئی روشنی ملتی ہے حقیقت یہ ہے کہ

رات کے ماتھے پر افسردہ ستاروں کا ہجوم
صرف خورشیدِ درخشاں کے نکلنے تک ہے

قرآن حکیم خود بتاتا ہے کہ جب دینِ الٰہی کے سچے علمبرداروں کی ایک چھوٹی سی جماعت کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر مدینے میں پناہ گزیں ہو گئی تھی دشمن کے پے در پے حملوں کے باعث خوف و ہراس طاری تھا

تو مایوسی و اضطراب کی ان گھڑیوں میں خدائے پاک نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ اگر تمہارے ایمان میں یہ استواری اور اعمال میں یہ صلاحیت ہے تو یقین جانو کہ دُنیا کی کوئی طاقت تم کو مقہور و مغلوب نہیں کر سکتی۔ تمہارے قلوب میں خدائے پاک کی سچی محبت اور رسولؐ کی اطاعت کا سچا ولولہ ہے تم قلیل التعداد ہو مگر جہاں جاتے ہو استقلال کے فرشتے تمہارے ہمرکاب اور حوصلوں کے لشکر تمہاری تائید پر ہوتے ہیں۔

قرآن حیران و سرگرداں و گم کردہ راہ انسانیت سے یوں مخاطب ہوتا ہے کہ تم تباہی و بربادی کی مہیب قوتوں سے خوف مت کھاؤ۔ تاریک مستقبل کی اندوہناکیوں اور ہلاکت سامانیوں سے مت گھبراؤ زمانے سے ناامید نہ ہو۔ میں جو نظام پیش کرتا ہوں اس کی صداقت پر بھروسہ کر کے اُسے عملاً آزماؤ پھر تم دیکھو گے کہ تم شکست و ریخت کی ان تمام قوتوں پر غلبہ پا کر کس طرح خاک کی پستیوں سے آسمان کی بلندیوں تک جا پہنچتے ہو۔ طریق ایک ہی ہے کہ صرف قرآنی قوانین کی اطاعت کرنا ہوگی۔

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اُتر گیا جو تیرے دل میں لا شریک لہٗ

بلکہ قرآن نے تو یہاں تک کہا کہ اے جماعتِ مومنین تم بھی میری طرح میری بنائی ہوئی زمین پر لاشریک بن رہو۔ کسی کو اپنے مقابلے پر نہ آنے دو۔ وہ غالب بن کر رہو کہ زمین پر فساد کی کوئی صورت نہ رہے۔ تم میری طرح سمیع و بصیر ہو۔ صاحب دست و قدرت ہو، مالک ارادہ ہو، میں خود قوی اور عزیز ہوں تمہاری بھی قوت اور عزت چاہتا ہوں۔ جبار و قہار ہوں، تم سے بھی جبر اور قہر چاہتا ہوں، رحیم و رحمان ہوں تم سے بھی رافت اور رواداری کا متمنی ہوں خلاقِ عظیم ہوں۔ تم سے بھی بڑی بڑی ایجادات اور اختراعات کا متوقع ہوں۔

تو کیا اس پیغام کو سُن کر مایوسی و نامرادی کی تاریک چادر تار تار نہیں ہو جاتی اور اس کیفیت میں کائنات کا علم حاصل کرنے کی روح بیدار نہیں ہوتی۔ کیوں نہیں۔ یہی تو وہ جذبہ تھا کہ اعمال خدا کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا جزوِ ایمان تھا اور جس کی تلاش میں چین و روم ایک کر دیئے گئے تھے۔

چنانچہ جو لوگ قرآنِ حکیم کے صحیح مقاصد و مفہوم سے آشنا ہیں اور جنہوں نے اپنی زندگیاں قرآنی قوانین سے ہم آہنگ کر رکھی ہیں وہی آج فطرت کے خزانۂ عامرہ سے انعام پا رہے ہیں۔ انہی پر رحمتِ ایزدی کا موسلا دھار مینہ لگاتار برس رہا ہے اور جب تک صراطِ مستقیم پر ہیں برستا رہے گا۔ یہ لوگ زندگی میں کبھی مایوس نہیں ہوتے۔

مقبول الٰہی

(۹)

میں دریا کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ ایک کشتی دریا کے سینے کو چیرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی ناؤ کا سوار اور کھیون ہار ایک ہشاش بشاش نوجوان تھا۔ جو شاید تفریح کا مقصد پورا کر رہا تھا۔ کشتی منجدھار میں پہنچی ہی تھی کہ اچانک ایک ہچکولا آیا اور کشتی اُلٹ گئی۔ اور وہ نوجوان جو چند لمحے پہلے دریا کے سینے پر سوار تھا۔ اب دریا کی موجوں کے نرغے میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ دریا کی موجوں کے ساتھ محوِ جدال ہے اور اُن کو شکست دینے کی پوری کوشش کر رہا ہے۔ وہ اپنے آخری سانس باقی رہنے تک اُن لہروں کا پوری قوت سے مقابلہ کرتا رہا۔ میرا ذہن یہ منظر دیکھ کر سوچ کے دھاروں پر بہہ نکلا۔ میں نے سوچا کہ چند دن پہلے جب میں اسی طرح سے اسی جگہ پر ٹہل رہا تھا تو میں نے ایک نوجوان کو دریا میں چھلانگ لگا کر خودکشی کرتے دیکھا تھا۔ دھڑام کی ایک آواز کے ساتھ ایک انسانی جسم پانی کی لہروں میں گم ہو

گیا۔ میری نظریں کافی دیر تک اُس جگہ کو ٹٹولتی رہیں کہ شاید وہ جسم دوبارہ یہاں سے اُبھرے گا۔ لیکن وہاں پانی کے چند بلبلے بنے اور ہمیشہ کے لئے مٹ گئے۔

میرا ذہن ان دونوں حادثات کا موازنہ کرنے لگا۔ ایک موجوں کے تڑپنے میں آجانے کے باوجود زندگی کے آخری لمحات تک جدوجہد اور تگ و دو کر رہا ہے اور موت کے سائے نظر آنے کے باوجود ہمت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا لیکن دوسرا ہنستی بستی دنیا کو چھوڑ کر موت کے تمام خطرات سے محفوظ ہونے کے باوجود خود بخود اپنی عزیز ترین متاع، یعنی متاعِ حیات دریا کی لہروں کے سپرد کرنے کے لئے پہنچ جاتا ہے۔ دونوں میں اس قدر فرق ——— میں نے سوچا ——— میرے ذہن نے جواب دیا کہ یہ اُمید اور نا اُمیدی کا تفاوت ہے۔ اُمید کا مرتبہ جس کی رگوں میں توانائیاں بھر دیتا ہے۔ وہ لذتِ عمل سے سرشار ہو جاتا ہے اور زندگی کے انتہائی نامساعد حالات میں بھی سعی و عمل کو ترک نہیں کرتا اور جدوجہد کو نہیں چھوڑتا لیکن نا اُمیدی کا زہر جس کی رگوں میں سرایت کر جائے وہ زندگی کے تمام وسائل کھلے ہونے کے باوجود بھی کچھ کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا۔ اور موت کی آغوش میں پناہ تلاش کرتا ہے۔ جرأتِ عمل تو ایک طرف رہی نا اُمیدی کا زہر سرایت کر جائے تو ان کے خیالات تک میں پست ہمتی پیدا ہو جاتی ہے۔ غالب نے کس حسین انداز میں اس کیفیت کو بیان کیا ہے۔ ؎

سنبھلنے دے مجھے اے نا اُمیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

غرض اُمید گلشنِ حیات کے لئے بہار اور نا اُمیدی خزاں کا حکم رکھتی ہے۔ یہ بات افراد اور اقوام دونوں کے حق میں صحیح ہے۔ کیونکہ افراد کی طرح اقوام کی بھی ایک زندگی اور موت ہوتی ہے۔ اور اُس کی زندگی اور موت کے لئے بھی افراد کی زندگی اور موت کی طرح کچھ اصول و قوانین ہوتے ہیں۔

اقوام کی زندگی کا محسوس ترین پیمانہ اُن کا علم و عرفان ہوتا ہے۔ کسی قوم کی زندگی کی سب سے بڑی علامت یہ ہوتی ہے کہ اُس کے علوم و فنون کی نبضیں دھڑک رہی ہوں اور ان نبضوں کا رُک جانا اُس کی موت کی سب سے بڑی نشانی ہوتی ہے۔

علم و عرفان کے منازل کی بلندیاں وہی قوم طے کر سکتی ہے جس کے پاؤں میں نا اُمیدی کی زنجیریں نہ پڑی ہوں۔ جس کی رگوں میں زندگی کی حرارت دوڑ رہی ہو جس کی اُمنگیں جوان ہوں آرزوئیں بیدار ہوں۔ اُمیدوں کے چراغ جس کی زندگی کے راستے پر جھلمل جھلمل کرتے ہوئے انہیں روشن اور تابناک بنا رہے ہوں۔ وہ قوم جس کے قویٰ کو یاس و نا اُمیدی کے فالج نے شل کر دیا ہو۔ قنوطیت کے مہیب جھکڑوں نے جس کے فکر و شعور کی شمعوں کو گُل کر دیا ہو۔ جس کی زندگی کے راستوں پر یاس کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھا چکے ہوں وہ قوم علم و عرفان کے منازل طے کرنے کی بجائے جہالت و بے علمی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتی ہے۔ ذرا تاریخ کے اوراق کو اُلٹیے۔ زیادہ دُور نہ جائیے۔ اپنی ہی داستان پڑھ لیجئے۔ جب داعیٔ اسلام نے ریگزارِ عرب کے منتشر قبائل کو اکٹھا کیا اور سب سے پہلے اُنہیں زندگی کے مفہوم سے آشنا کیا تو انہی گنوار، اُجڈ اور بدو لوگوں نے اُٹھ کر دُنیا کے نقشے کو بدل ڈالا۔ ایران و روما جیسی عظیم سلطنتوں کو تہہ و بالا کر ڈالا۔ اور وہ قوم جو سوائے شعر و شاعری کے اور کچھ نہ جانتی تھی اُس نے دنیائے علم و فن میں ایک ایسا انقلابِ عظیم برپا کر دیا کہ دنیا ششدر رہ گئی۔ آج خود یورپین مصنفین کو یہ اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ موجودہ سائنسی تہذیب کی بنیاد عربوں نے رکھی تھی۔ (DENNISON) کہتا ہے "یہ امر

موجبِ حیرت و استعجاب ہے کہ اس قسم کا نیا کلچر سرزمین عرب سے پیدا ہوا اور اُس وقت پیدا ہوا جب اس کی اشد ضرورت تھی۔

(DORSEY) کہتا ہے۔ "ہم یہ تو نہایت آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ اگر کوپرنیکس نہ ہوتا تو نیوٹن بھی نہ ہوتا۔ لیکن یہ کبھی تسلیم نہیں کرتے کہ عرب ہمیں علم الافلاک نہ دیتے تو کوپرنیکس پیدا ہی نہ ہو سکتا۔ یا ہم یہ تو نہایت آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ یہودیت نہ ہوتی تو عیسائیت نہ ہوتی۔ لیکن اس حقیقت کو بآسانی تسلیم نہیں کرتے کہ عرب نہ ہوتے تو دورِ حاضر کی تہذیب بھی کہیں نہ ہوتی۔

جغرافیہ۔ تاریخ۔ طب۔ فلسفہ۔ ہیئت۔ ریاضی۔ غرض علم کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا۔ جسے ان لوگوں نے اوجِ کمال تک نہ پہنچایا ہو۔ لیکن جب اس قوم پر زوال آیا۔ زندگی کی حرارت اس کی رگوں میں سرد پڑنے لگی تو اس کے فکر و شعور پر بھی موت کا جمود طاری ہو گیا۔ دین کی جگہ مذہب نے لے لی۔ اور مذہب نے آتے ہی اس کے فکر و شعور کے چراغ گُل کر دیئے۔ اس کی سوچ پر پہرے بٹھا دیئے۔ اس قوم کے قوائے ذہنی کو مفلوج کرنے کی ابتدا اس قسم کے نظریات سے ہوئی۔ کہ انسان مجبورِ محض ہے۔ وہ تقدیر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ وہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ کرتا رہے زندگی بھر تقدیر کے چکر سے نہیں نکل سکتا۔ اُسے چاہیئے کہ وہ راضی برضائے مولا رہے۔ اور یہ دُنیا مومن کے لئے ایک قید خانہ ہے۔ یہ دار المحن ہے۔ اس دُنیا کی تمام نعمتیں اور جائز لذتیں بھی اس پر حرام ہیں۔ اپنے نفس کو مارنے سے معرفتِ حق حاصل ہوتی ہے۔ دُنیا پلیدی اور ناپاکی کا گھر ہے۔ لہٰذا نجات حاصل کرنے کے لئے انسان کو چاہیئے کہ اس سے کنارہ کش رہے۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گُلِ گلزار ہوتا ہے

ان نظریات نے اُمید و آرزو اور نشاطِ عمل کے وہ تمام چراغ گُل کر دیئے جو قرآن نے آ کر جلائے تھے۔ اور اس قوم کو پھر سے یاس و قنوطیت کی تاریکیوں میں دھکیل دیا۔ زندگی کی ساری توانائیاں اس سے سلب ہونے لگیں۔ جذبۂ عمل مفقود ہو گیا۔ علم و عرفان رخصت ہو گئے۔ اور آج تیرہ صدیاں گزرنے کو ہیں کہ ؎

نہ اُٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گلِ ایراں، وہی تبریز ہے ساقی

علم و عرفان کی جگہ شعر و تصوف نے لے لی۔ اور وہ دین جو اپنے دامن میں شکوہ و جلال تمکّن فی الارض اور زندگی کی تمام ہنگامہ آرائیوں کو اپنے دامن میں لے کر آیا تھا۔ غربت و مسکینی۔ بے عملی۔ تقدیر پرستی اور نکارِ و بارِ حیات سے کنارہ کشی کا مذہب بن کر رہ گیا۔ بارگاہِ ابلیسیت سے یہ حکم جاری ہوا کہ ؎

ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات

تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

یوں تو حرمان و یاس تیرہ سو سال سے اس قوم کا مقدر بن چکا ہے۔ لیکن آج سے تقریباً ۲۸ سال پہلے

اِس خطۂ زمین پر بسنے والے مسلمانوں نے اُمید کی ایک کرن دیکھی تھی اور بڑی تمنّاؤں اور آرزوؤں کے ساتھ اِس مملکت کی بنیاد رکھی تھی۔ لیکن وائے بدنصیبی کہ آج یہی لوگ سب سے زیادہ مایوسی کا شکار ہیں۔ یاس و ناامیدی اور بددلی و شکست خوردگی کی گھٹائیں اُس کی زندگی کے اُفق پر چھا چکی ہیں۔ آج تقریباً اِس قوم کا ہر فرد یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ "خاکم بدہن" پاکستان ختم ہو جائے گا۔ حالات بہت بگڑ چکے ہیں۔ اب بہتری کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا"۔

معزز سامعین! ہو سکتا ہے آپ یہ سوال کریں کہ وہ قوم جس کو آزادی کے ۲۶ سال گزرنے کے باوجود بھی آزادی کا کوئی ثمر نہ ملا ہو۔ جس نے آزادی کے پودے کو اس تمنا میں خون دے کر سینچا ہو۔ کہ اسلامی نظامِ حیات کے ثمر سے بہرہ اندوز ہوں گے۔ لیکن اُنہیں اس سے ۲۶ سال کے بعد بھی سوائے آقا و غلام اور خواجہ و مزدور کے نظام کے اور کوئی ثمر نہ ملا ہو۔ آج بھی جس قوم کے افراد کی اکثریت کی یہ حالت ہو کہ اپنا خون پسینہ ایک کرنے کے باوجود اُن کے لئے جان اور تن کا رشتہ بحال رکھنا مشکل ہو۔ اُنہیں تن ڈھانپنے کو کپڑا اور پیٹ بھرنے کو روٹی میسر نہ آتی ہو۔ اور پھر جس قوم کا ایک بازو اُس سے کٹ چکا ہو۔ اِس طرح اُس کی تمام اُمیدیں اور آرزوئیں خاک میں مل چکی ہوں۔ اُس قوم کے دامن میں مایوسیوں اور محرومیوں کے سوا اور کیا ہو گا۔ اور اگر آپ اُسے نشاط و اُمید کا پیغام سنائیں گے۔ تو سوا اس کے اور کیا جواب ملے گا۔ ؎

ہنسنے پہ نہ مجبور کرو، لوگ ہنسیں گے
حالات کی تفسیر تو چہروں پہ لکھی ہے

واجب الاحترام ساتھیو! یہ سوال اپنی جگہ پر قابلِ غور ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں یہ کہنے کی جرأت کروں گا۔ کہ مایوسی کے لئے پھر بھی کوئی جگہ نہیں ہوتی چاہئے۔ مایوس تو اُس مریض کو ہونا چاہئے جو لاعلاج ہو جس کا علاج کسی ڈاکٹر اور حکیم کے ہاں نہ ہو۔ لیکن اُس مریض کے لئے مایوسی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ جس کے ہاتھوں میں اُس کی شفا کا نسخہ موجود ہو۔ اور اسے علم ہی نہیں یقین ہو کہ یہ اُس کی تمام امراض کا شافی علاج ہے۔ لیکن اگر اس کے باوجود وہ اُس نسخے کو استعمال نہ کرے اور مایوسی کا شکار ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ساتھ ہی ساتھ نفسیاتی مرض بھی ہے۔ آج ہماری حالت بھی اس دوہرے مریض کی سی ہے۔ ہمارے تمام امراض کا شافی علاج ہمارے پاس موجود ہے اور یہ علاج اُس کا تجویز کردہ ہے جس کے ہاتھوں میں زندگی اور موت ہے۔ اور ہم بڑے زور و شور سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے پاس جو نسخہ ہے۔ وہ زندگی کے تمام امراض کا شافی علاج ہے۔ لیکن اُسی نفسیاتی مریض کی طرح ہم اس نسخے سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور مایوس ہو رہے ہیں کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ آج بھی سب کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہم مایوسی کو اپنے دامن سے جھاڑتے ہوئے اِس نسخے کی طرف رجوع کریں اس سے اپنی شفا کا سامان حاصل کریں اور اپنی تمام امراض کو دُور کر کے تندرست و توانا زندگی کے سفر پر گامزن ہوں۔ بس یہ ہے ہمارا مرض اور یہ اُس کا علاج ہے۔ ؎

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اُس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی